بچوں اور نوجوانوں کے ساتھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن سلوک

محمد علی چنارانی

مترجم: سید قلبی حسین رضوی

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

فہرست مطالب

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ و کلیاں رنگ ونکھار پیدا کرلیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ و راہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ و موسس سرور کائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمہ حق و حقیقت سے سیراب کردیا، آپ کی تمام الہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمران ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑگئیں ، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہب عقل و آگہی ہے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔

اگر چہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیرووں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کے بے توجہی اورناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کاشکار ہوکراپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردئی گئی تھی، پھر بھی حکومت و سیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمہ فیض جاری رکھا اورچودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے

ایسے جلیل القدر علماء و دانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکار و نظریات سے متاثر اسلام و قرآن مخالف فکری و نظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگیں تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشتپناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن او رمکتب اہل بیت علیہ السلام کی طرف اٹھی او رگڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکر و معنوی قوت و اقتدار کو توڑنے کے لئے اوردوستداران اسلام سے اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامران زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین و بے تاب ہیں، یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے۔

اور جو مکتب بھی تبلیغ او رنشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھا کر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیاتک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔ (عالمی اہل بیتؑ کونسل) مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کے پیروؤں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے۔

کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر اندازسے اپنا فریضہ ادا کرے،تا کہ موجود دنیا ئے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف وشفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہوسکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوتؐ و رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق وانسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خوں خواراں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کیعالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔ ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققیں و مصنفیں کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفیں و مترجمیں کا ادنی

خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل مولف محمد علی چنارانی کی گرانقدر کتاب ''بچوں اور نوجوانوں کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن سلوک''کو فاضل جلیل مولانا سید قلبی حسین رضوی نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیاہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں، اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں او رمعاونین کا بھی صمیم قلب سے شکر یہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنی جہاد رضائے مولی کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

پیش لفظ

آج کل کی دنیا میں بچوں کی تربیت،سماج کاایک بنیادی ترین مسئلہ اور بشریت کی سعادت کا اہم ترین عامل شمار ہوتی ہے۔اس لئے دانشوروں نے بچوں کے نفسیات اور تربیت کے بارے میں کافی مطالعہ اور تحقیق کی ہے اوراس موضوع پر بہت سی کتابیں بھی تالیف کی ہیں۔

اسی طرح بڑے ممالک میں،بچوں کے جسم وروح کی صحیح تربیت کی غرض سے وسیع پیمانے پرانجمنیں بنائی گئی ہیں اور بچوں کی علمی اور عملی لحاظ سے نگرانی کی جارہی ہے۔لیکن چودہ سو سال قبل،جب بشریت جہل و نادانی کے اندھیرے میں بھٹک رہی تھی،اس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچوں کی قدر و منزلت اور تربیت کوخاص اہمیت دی،اور اس سلسلہ میں اپنے پیرؤں کوضروری ہدایات دیں۔

اگرچہ آج دانشور اور ماہرین بچوں کی پیدائش کے بعد ان کی تربیت کو اہمیت دیتے ہیں،لیکن اسلام نے ازدواجی زندگی کے بنیادی اصول،شریک حیات کے خصوصیات،نسل کی پاکیزگی،دودھ پلانے اور بچوں کے جسم وروح کی تربیت کے سلسلہ میں لوگوں کی ذمہ داریوں کو قدم بہ قدم بیان کیا ہے۔اگر آج دنیا کے دانشوروں نے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں بہت سے نفسیاتی اور تربیتی مسائل کو دقیق انداز میں اپنی علمی کتابوں میں درج کیا ہے،تواسلام کے پیشواؤں نے بہت پہلے ہی میں ان نکات کو مذہبی روایات کی صورت میں بیان کر دیا تھا اور خود بھی اپنی زندگی میں اس کوعملی جامہ پہنایا ہے۔

اس کتاب میں ہمارا مقصد دو بنیادی اصولوں پر استوار ہے:اول یہ کہ تمام مسلمان،بالخصوص نوجوان اور طلبہ،کہ جو معاشرہ کی بڑی تعداد کو تشکیل دیتے ہیں،دین مقدس اسلام کے منصوبوں اور دستورات کی ہمہ گیری اور اس آسمانی دین کے علمی اقدار سے آگاہ ہو جائیں اور قوی و مضبوط ایمان واعتقاد سے اس کی پیروی کریں اور دشمنوں کے فریب میں نہ آئیں۔

دوسرے یہ کہ والدین اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں اپنی مذہبی اور قومی ذمہ داریوں سے آگاہ ہو جائیں تاکہ اس اہم اور سنگین ذمہ داری کو بہتر صورت میں انجام دے سکیں۔ کیونکہ بہت سے اجتماعی مشکلات اور اخلاقی برائیاں اپنی ذمہ داریوں سے ناواقفیت کی بنا پر ہی وجود میں آتی ہیں۔ اس لئے ہم نے یہ فیصلہ کیاکہ ان لوگوں کے لئے ایک عملی نمونہ پیش کریں کہ جو اپنے بچوں کی جسمانی و روحانی لحاظ سے صحیح تربیت کرنا چاہتے ہیں۔

مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے حقیقی جانشین ہیں کہ ہم اپنی زندگی کے تمام مراحل میں انھیں اطمینان بخش نمونہ قرار دیں اوران کی پیروی کریں چنانچہ ان کامل انسانوں کی پیروی واطاعت میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے، کیونکہ ان شخصیتوں کوخداوند متعال نے ہر برائی سے پاک قرار دیا ہے اوران کی اطاعت کہیں بھی اور کبھی بھیمشکل پیدا نہیں کرسکتی ہے۔ دعا ہے کہ بشریت آگاہ ہو جائے اور حقیقی پیشواؤں کی پیروی کرے ،جھوٹے اور شیطانی نمونوں کی اطاعت نہ کریں تاکہ اس طرح وہ دنیاوآخرت کی سعادت سے ہمکنار ہو جائے۔

یہ کتاب دوحصوں پر مشتمل ہے:۱۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچوں کے ساتھ سلوک،اس میں پانچ فصلیں ہیں اور ہر فصل چند موضوعات پر مشتمل ہے۔

۲۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانوجوانوں کے ساتھ سلوک،اس میں چار فصلیں ہیں اور ہر فصل چند عناوین پر مشتمل ہےآخر پر میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں،جنہوں نے اس کتاب کی تالیف میں میری مدد فرمائی۔

مؤلف

پہلا حصہ

بچوں کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک۔

بچوں کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آنا پیغمبر اکرمؐ کے نمایاں خصوصیات میں سے تھا۔

پہلی فصل

تربیت

اپنے بچوں کا احترام کرو اوران کے ساتھ ادب سے پیش آؤ۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تربیت کی اہمیتچہ پیدائش کے بعد اپنے خاندان سے جدا ہونے اور دوسروں کے ساتھ مشترک زندگی گزارنے تک تربیت کے دو دور سے گزرتا ہے: ا۔ بچپنے کا دور، یہ دور ایک سال کی عمر سے سات سال تک ہوتا ہے۔اس دور میں بچہ کے اندر براہ راست تربیت حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، کیونکہ وہ اس دور میں اپنی دنیا سے بے خبر ہوتا ہے۔

۲۔ سات سے چودہ سال کی عمر تک کا دور۔اس دور میں عقل تدریجاً بڑھتی ہے اور فکری فعالیتوں کے لئے آمادہ ہوتی ہے۔اس دور میں انسان سیکھ سکتا ہے اور تعلیم حاصل کرسکتا ہے۔ پہلے دور میں تربیت براہ راست نہیں ہونی چاہئے اور ہرگز اس کو کسی چیز سے روکنے اور کسی چیز کے حکم دینے میں سختی نہیں کرنا چاہئے بلکہ بچہ اپنے ماحول سے تربیت پاتا اور ادب سیکھتا ہے اس طرح اس کے وجود میں اخلاق کی پہلی بنیاد پڑتی ہے اور وہ اپنے ماحول کے بارے میں اچھی یاد داشتیں اور مناسب طرز عمل کو اپنے ذہن میں محفوظ کرلیتا ہے۔

دوسرے دور میں بھی بچے کو آزاد نہیں چھوڑنا چاہئے اور اس کی غلطیوں سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہئے، بلکہ اس کو اس کی بے ادبیوں سے روکنا چاہئے، اسے نظم وضبط سکھانا اور حد سے زیادہ کھیل کود وغیرہ میں وقت ضائع کرنے سے روکنا چاہئے، عبادت اور نیک کاموں کی طرف اسے رغبت دلانا چاہئے[1]۔افسوس کہ اکثر لوگ یہ نہیں جانتے ہیں کہ اپنے بچوں کی تربیت کب سے شروع کریں۔ بعض والدین یہ تصور کرتے ہیں کہ بچوں کی تربیت چھ سال تمام ہونے کے بعد کی جانی چاہئے اور بعض تربیت کا آغاز تین سال کی

[1] ''باتربیت مکتبی آشنا شویم''، ص۷۷۔۷۸

عمر ہی سے کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ خیال غلط ہے،کیونکہ جب بچے کی عمر تین سال مکمل ہوتی ہے تو اس میں ۷۵فصد صفات اچھے اور برے صفات پیدا ہو جاتے ہیں۔ بعض ماہرین نفسیات کا یہ خیال ہے کہ بچے کی تربیت پیدائش سے ہی شروع کی جانی چاہئے،لیکن بعض دوسرے ماہرین کسی حد تک احتیاط کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بچے کی تربیت پیدائش کے بعد دوسرے مہینے کی پہلی تاریخ سے ہی ہوناچاہئے ۔لیکن ''شکاگو''یونیورسٹی میں اس موضوع پردقیق تحقیق کرنے کے بعد ماہرین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ: ''ایک صحیح وسالم بچے کی فکری سطح چار سال کی عمرمیں۵۰فیصد،آٹھ سال کی عمر میں۳۰فیصد اور سترہ سال کی عمر میں۲۰فیصد مکمل ہوتی ہے۔لہذا ہر چار سالہ بچہ۵۰فیصد سوجھ بوجھ کی صلاحیت رکھتاہے،اسی طرح۲اور۳ سال کے درمیان بچے میں رونماہونے والی تبدیلیاں ۸اور۹سال کے درمیان رونما ہونے والی تبدیلیوں سے کئی گنا زیادہ اوراہم ہوتی ہیں[1]۔'

بچے کی تربیت کہاں سے شروع کریں؟

تعلیم وتربیت کو مفیدبنانے کے لئے ضروری ہے کہ آج کل کے تصور کے برخلاف مذکورہ مدت سے پہلے ہی بچے کی تربیت اس کی پیدائش کے ابتدائی ہفتوں سے ہی شروع کرنا چاہئے، پہلے صرف جسمانی مسائل اور پھرایک سال کی عمرسے نفسیاتی مسائل کی طرف توجہ کی جانی چاہئے۔یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ بچے کے لئے وقت کی اہمیت یکساں نہیں ہوتی،کیونکہ ایک سال کی عمر میں ایک دن کی مدت،تیس سال کی عمر میں ایک دن کی مدت سے کئی گنا طولانی ہوتی ہے۔شاید یہ مدت جسمانی اور نفسیاتی حوادث کے لحاظ سے چھ گنا زیادہ ہو۔لہذا بچپن کے اس گرانقدر دور سے پھرپورا فائدہ اٹھانے میں غفلت نہیں کرنی چاہئے۔

اس بات کا قوی احتمال ہے کہ بچے کی ابتدائی چھ سال کی عمر کے دوران زندگی کے قواعد وضوابط کے نفاذ کانتیجہ یقینی ہے[2]۔اسی لئے حضرت علیؑ فرماتے ہیں '':من لم یتعلّم فی الصّغر لم یتقدم فی الکبر[3]۔''(جو بچپن میں کچھ نہ سیکھے وہ بڑا ہو کرآگے نہیں بڑھ سکتا '')لہذا

[1] ''روانشناسی کودک''،ص۷۷
[2] ''راہ و رسم زندگی''،ص۱۱۸
[3] غرر الحکم،ص۶۹۷

بچپن کا دور زندگی کے صحیح طور طریقے سیکھنے کا بہترین وقت ہوتا ہے۔کیونکہ اس زمانے میں بچے میں تقلید اور حفظ کی توانائی بہت قوی ہوتی ہے۔اس دور میں بچہ اپنے معاشرہ کے افراد کے حرکات وسکنات اور ان کے چال چلن کو پوری توجہ کے ساتھ دیکھتا ہےاور ان کا عکس،کیمرے کے مانند،اپنے ذہن میں کھینچ لیتا ہے۔اس لئے،بچے کے جسم کی نشو ونما اور تکامل کے ساتھ اس کی روح کی بھی صحیح راستے کی طرف ہدایت ہونی چاہئے تاکہ اس میں نیک اور شائستہ صفات پیدا ہو جائیں۔ کیونکہ جن بچوں کی بچپن میں صحیح طریقے سے تربیت نہیں ہوتی ہے،ان میں بڑے ہونے کے بعد اخلاقی تبدیلی کا آنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

خوش قسمت اور کامیاب وہ لوگ ہیں،جو ابتدائے زندگی سے ہی صحیح وسالم تربیت کے ساتھ نشو ونما پاتے ہیں اور نمایاں اورگرانقدر صفات ان کی زندگی کا جزولاینفک بن جاتے ہیں۔بعض ماہرین نفسیات نے بچے کوایک ننھے پودے سے تشبیہ دی ہے،جس کی حالت کو ایک باغبان صحیح طریقہ کار کے تحت بدل سکتا ہے۔لیکن جو لوگ ایک پرانے درخت کے مانند گندے اور ناپسند ماحول میں پلے بڑھتے ہیں،ان کی اصلاح کرنا بہت دشوار ہوتا ہے،اور جو شخص ایسے افراد کے کردارو طرز عمل کو بدلنا چاہے گا،اسے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا[1]۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے لئے نمونہ عمل ہیں

خدا وند متعال قرآن مجید میں فرماتا ہے:(لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ[2]) ''بیشک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھارے لئے بہترین نمونہ ہیں،لہذا تم لوگ ان کے وجودمبارک سے مستفید ہو سکتے ہو۔'' پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری تاریخ میں بشریت کے لئے سب سے بڑے نمونہ عمل تھے،کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیان کے ذریعہ لوگوں کے مربیّ وراہنما ہونے سے پہلے اپنی سیرت اور طرز عمل سے بہترین مربیّ اور رہبر تھے،پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت صرف کسی خاص زمانہ،کسی خاص نسل ،کسی خاص قوم،کسی خاص مذہب

[1] ''کودک ازنظر وراثت وتر بیت''،ص ۲۲۳و۲۲۴
[2] احزاب،۲۱

اور کسی خاص علاقہ کے لئے نمو نہ نہیں تھی،بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمی اورابدی لحاظ سے تمام لوگوں اورتمام ادوار کے لئے نمونہ تھے۔

ہم یہاں پر معتبر اسناد وشواہد کی روشنی میں بچوں اور نوجوانوں کے ساتھ پیغمبر اسلامؐ کے حسن سلوک اور طرز عمل کو بیان کر رہے ہیں۔

بچے کو اہمیت دینا

دور حاضر میں بچوں کوبہت اہمیت دی جارہی ہے۔خاندانوں اور معاشروں کے بچوں کی شخصیت کے احترام پر حکومت اور قوم کافی توجہ دے رہی ہے۔اس کے باوجود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کی تربیت پر جتنی توجہ دیتے تھے،اتنی توجہ آج کی دنیا بھی نہیں دے پا رہی ہے ۔اگرچہ،کبھی کبھی تہذیب و ترقی یافتہ ممالک کے زمادار اور حکمران یتیم خانوں اور نرسریوں میں جاکرایک دو گھنٹے بچوں کے ساتھ گزارتے ہیں اور ان میں سے بعض تو بچوں کو گود میں لیکر تصویریں کھنچاتے ہیں اور ویڈیو فلم بناتے ہیں،ان کے بارے میں مقالات بھی لکھتے ہیں اور اس طرح بچوں کے تئیں اپنے احترام کولوگوں پر ظاہر کرتے ہیں،لیکن آج تک کوچہ و بازار میں کسی شخص نے بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مانند نہایت سادگی کے ساتھ بچوں کو گود میں لے کرپیار نہیں کیا ۔اس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اور غیروں کے تمام بچوں سے خاص محبت فرماتے تھے۔اس سلسلہ میں آنحضرتؐ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ:

''والتلطف بالصبیان من عادۃ الرسول[1]''

بچوں سے پیار و محبت کرنا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت تھی

شیعوں کے ائمہ اطہار علیہم السلام دوسرے دینی پیشواؤں نے بھی اسی پر عمل کیا ہے اور وہ بھی بچوں کی اہمیت کے قائل تھے۔ذیل میں ہم چند نمونے پیش کر رہے ہیں:۱۔بچے سے سوال کرنا حضرت علی علیہ السلام ہمیشہ لوگوں کے سامنے اپنے بچوں سے علمی سوالات کرتے تھے اور بعض اوقات لوگوں کے سوالات کا جواب بھی انھیں سے دلواتے تھے۔ایک دن حضرت علی علیہ السلام نے اپنے فرزندامام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام سے چند موضوعات کے بارے میں کچھ سوالات کئے چنانچہ ان

---

[1] المحجۃالبیضا ج۳،ص۳۶۶

میں سے ہر ایک نے مختصر لفظوں میں حکیمانہ جواب دئے۔اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے مجلس میں موجود حارث اعور نامی ایک شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا :ایسی حکیمانہ باتیں اپنے بچوں کو سیکھاؤ ،کیونکہ اس سے ان کی عقل وفکر میں استحکام وبالیدگی پیدا ہوتی ہے[1] ۔اس طرح حضرت علی علیہ السلام نے ان کا بہترین انداز میں احترام کیا اور ان کے وجود میں ان کی شخصیت کو اجاگر کیا اور خود اعتمادی پیدا کی ۔

۲۔حسن معاشرت:بچے میں شخصیت پیدا کرنے کاایک بنیادی سبب اس کے ساتھ اچھا برتاؤ بھی ہے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختصر لفظوں میں فرمایا اور اپنے پیروؤں کوآشکار طور پر اسے نافذ کرنے کا حکم دیا ہے ''؛اپنے فرزندوں کا احترام کرواور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ[2] ''لہذا جو لوگ اپنے بچوں کی با عزت وبا حیثیت شخص بنانا چاہتے ہیں ،انھیں چاہئے کہ اپنے بچوں کواچھی تعلیم وتربیت کے ساتھ رہنمائی کریں۔ اور برے، ناپسند اور توہین آمیز سلوک سے پرہیز کریں کیونکہ ناپسنداور برے طرز عمل سے اپنے بچوں کی ہرگز صحیح تربیت نہیں کی جاسکتی ۔

۳۔وعدہ پورا کرناوعدہ پورا کرنا ان عوامل سے ایک ہے کہ جن کے ذریعہ بچے میں اعتماد پیدا کیا جاسکتا ہےاور یہ ان کی شخصیت کے نشو ونما میں کافی موثرہے۔ائمہ اطہار علیہم السلام نے بچوں سے وعدہ وفائی کرنے کے سلسلہ میں بہت تاکید کی ہے اس سلسلہ میں ہم ائمہ معصومین کے چند اقول پیش کرتے ہیں:حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں '':جائزنہیں ہے کہ انسان سنجیدگی سے یا مذاق میں جھوٹ بولے۔جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے بچے سے وعدہ کرلےاور اسے پورا نہ کرے[3] ''حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا '':اگر تم میں سے کسی نے اپنے بچے سے کوئی وعدہ کیا ہے۔تو اسے پورا کرنا چاہئےاور اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہئے[4] ۔

[1] بحارالانور ج۳۵،ص۳۵۰،البدایۃ ج۸ص۳۷
[2] بحارالانوار ج۱۰۴،ص ۹۵،ح۴۴
[3] بحار الانور،ج۷۲،ص۲۹۵،امالی صدوق ص۲۵۲
[4] مستدرک الوسائل،ج۲،ص۶۲۶،وسائل الشیعہ ج۵،ص۱۲۶طبع قدیم

www.kitabmart.in

شیعوں کی احادیث کی کتابوں میں ائمہ اطہار علیہم السلام سے والدین کے وعدہ وفائی کے بارے میں بے شمار روایتیں نقل ہوئی ہیں،لیکن ہم اختصار کے پیش نظر یہاں پر انھیں ذکر کرنے سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

۴۔ بچے کو مشکلات سے آگاہ کرنا۔اپنے بچوں، خاص کر بیٹوں کو شخصیت اور حیثیت والابنانے کا مالک سبب یہ بھی ہے کہ انھیں مشکلات سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ مستقبل میں مشکلات سے مقابلہ کر سکیں،کیونکہ بچوں کو عملی طور پر یہ سمجھنا چاہئے کہ ہر چیز کو حاصل کرنے کے لئے کوشش و زحمت کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر کوئی بچہ مشکلات اور سختیوں سے آگاہ نہ ہو تووہ مستقبل میں زندگی کے گوناگوں مشکلات کے مقابلہ میں گھبرا جائے گا۔یہ حقیقت ہمارے ائمہ اطہار علیہم السلام کی روایات میں بھی بیان ہوئی ہے۔ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے فرمایا: ''بہتر ہے کہ بچہ بچپنے میں زندگی میں پیش آنے والی سختیوں اور مشکلات سے دو چار ہو،جوکہ حقیقت میں زندگی کا کفارہ ہے،تاکہ جوانی اور بوڑھاپے میں صبرو بردباری سے کام لے[1]۔ ''یہ یاد دہانی کرا دینا ضروری ہے کہ،بچوں کو مشکلات سے آشنا کرنا بچے کی ناراضگی کا سبب نہیں بننا چاہئے۔یعنی بچے کے ذمہ کئے جانے والے کام اس کی توانائی اور طاقت سے زیادہ نہیں ہونے چاہئیں،اس لئے بچے کی طاقت و توانائی کومد نظر رکھنا ضروری ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلہ میں درج ذیل چار نکات کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے:۱۔ بچہ نے اپنی طاقت بھر جو کام انجام دیا ہے اسے قبول کرنا۔

۲۔جو کام بچے کی طاقت سے باہر ہو بلکہ اس کے لئے نا قابل برداشت ہو اس کام کا اس سے مطالبہ نہ کرنا۔

۳۔ بچے کوگناہ اور سرکشی پر مجبور نہ کرنا۔

۴۔اس سے جھوٹ نہ بولنااور اس کے سامنے فضول اور احمقانہ کام انجام نہ دینا[2]۔

---

[1] وسائل الشیعہ ج۵،ص۱۲۶
[2] اصول کافی،ج۶،ص ۵۰

دوسری روایتوں میں یوں نقل ہوا ہے'': جب رسول خدا ﷺ سات سال کے تھے،ایک دن اپنی دایہ (حلیمہ سعدیہ) سے پوچھا: میرے بھائی کہاں ہیں؟(چونکہ آپ ﷺ حلیمہ سعدیہ کے گھر میں تھے،اس لئے ان کے بیٹوں کو بھائی کہتے تھے)انہوں نے جواب میں کہا:پیارے بیٹے!وہ بھیڑبکریاں چرانے گئے ہیں،جو خداوند متعال نے ہمیں آپ ﷺ کی برکت سے عطا کی ہیں۔آپؐ نے کہا:اما جان آپ نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا !ماں نے پوچھا:کیوں؟ جواب میں کہا:کیا یہ مناسب ہے کہ میں خیمہ میں بیٹھ کر دودھ پیوں اور میرے بھائی بیابان میں تپتی دھوپ میں ہوں[1]۔''

۵۔بچے کے کام کی قدر کرنا رسول خدا ﷺ نے بچوں کی تربیت و پرورش اور انھیں اہمیت دینے کے بارے میں اپنے پیروؤں کو جو حکم دیا ہے، پہلے اس پر خود عمل کیا ہے۔پیغمبر اکرم ﷺ کی ایک سیرت یہ بھی تھی کہ آپ بچوں کے کام کی قدر کرتے تھے۔

عمرو بن حریث نے یوں روایت کی ہے'':ایک دن رسول خدا ﷺ عبداللہ ابن جعفرا بن ابیطالبؑ کے نزدیک سے گزرے۔جبکہ وہ بچے تھے آنحضرت ﷺ نے ان کے حق میں یہ دعا کی:خدا وندا!اس کی تجارت میں برکت عنایت فرما[2]۔٦۔بچوں کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا رسول اکرم ﷺ کی یہ بھی سیرت تھی کہ کبھی آپؐ اپنے بچوں کی تعظیم کے لئے نماز کے سجدہ کو طول دیتے تھے یا لوگوں کے بچوں کی تعظیم کے لئے نماز کو جلدی تمام کرتے تھے اور ہر حال میں بچوں کا احترام کرتے تھے اور اس طرح عملی طور پرلوگوں کو بچوں کی تعظیم کرنے کا درس دیتے تھے۔ایک دن پیغمبر اکرم ﷺ بیٹھے تھے کہ امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام داخل ہوئے۔آنحضرت ﷺ ان کے احترام میں اپنی جگہ سے اٹھ کرانتظار میں کھڑے رہے۔چونکہ دونوں بچے اس وقت صحیح طریقے سے چل نہیں پاتے تھے،اس لئے آنے میں کچھ دیر ہوئی۔لہذا پیغمبر اسلام ﷺ نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا ۔دونوں بچوں کو گود میں لے لیا اور دوش مبارک پر سوار کر کے چلے اور فرمایا کہ میرے پیارے

---

[1] بحار الانوار،ج۱۵،ص۳۷۶
[2] مجمع الزوائد،ج۹،ص۲۸۶

بیٹو!تمہاری کتنی اچھی سواری ہے اور تم کتنے اچھے سوار ہو[1]۔؟''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی تعظیم کے لئے بھی کھڑے ہوتے تھے[2]۔

۷۔بچوں کے مستقبل کا خیال رکھناایک دن حضرت امام حسن مجتبی علیہ السلام نے اپنے بچوں اور بھتیجوں کو اپنے پاس بلاکر فرمایا:تم آج معاشرہ کے بچے ہو لیکن مستقبل میں معاشرہ کی بڑی شخصیت ہوگے،لہذا علم حاصل کرنے کی کوشش کرو،تم میں سے جو بھی علمی مطالب کو حفظ نہ کر سکے،وہ انھیں لکھ ڈالے اوراپنی تحریروں کو اپنے گھرمیں محفوظ رکھے تاکہ ضرورت کے وقت ان سے استفادہ کرے[3]۔

اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ امام حسن مجتبی علیہ السلام بچوں کے مستقبل کو ملحوظ رکھتے تھے اور بچوں کے والدین کواس حقیقت سے آگاہ فرماتے تھے۔اس لئے دین کے پیشوا بچوں کے مستقبل کے بارے میں خاص توجہ رکھتے تھے۔چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے:

''انصار میں سے ایک شخص چند بچوں کوچھوڑ کر دنیا سے اٹھا۔اس کے پاس تھوڑا سا سرمایہ تھاکہ جسے اس نے اپنی عمر کے آخری دنوں میں عبادت اور خدا کی خوشنودی کے لئے خرچ کر دیا۔جبکہ اسی زمانے میں اس کے بچے تنگ دستی کی وجہ سے دوسروں سے مدد طلب کرتے تھے۔یہ ماجرا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نقل کیا گیا۔آنحضرتؐ نے سوال کیا:تم نے اس شخص کے جنازہ کو کیا کیا؟کہا گیاکہ اسے ہم نے دفن کردیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا تواسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہ دیتا!!کیونکہ اس نے اپنی دولت کوضائع کردیا اور اپنے بچوں کودوسروں کا محتاج بنا کرچھوڑ دیا[4]۔

۸۔دینی احکام کی تعلیم دینابارگاہ خدا میں بچے کی عبادت،دعااور حمدوثنا کی تمرین سے اس کا باطن روشن ہوتا ہے،اگر چہ ممکن ہے بچہ نماز کے الفاظ کے معنی نہ سمجھتا ہو،لیکن خدا وند متعال کی طرف توجہ،راز ونیازپروردگار عالم سے مدد کی درخواست،دعا اور بارگاہ الٰہی

---

[1] بحار الانور ج۴۳،ص۲۸۵ح۵۱،مناقب ابن شہرآشوب ج۳،ص۳۸۸

[2] السیرۃالحلبیہ ج۳،ص۴۸

[3] بحارالانوار ج۴۳،ص۲۵،ح۲۲

[4] قرب الا سناد،ص۳۱

سے التجا کو وہ بچپنے سی ہی سمجھتا ہے اور اپنے دل کو خدا وند متعال اور اس کی لا محدود رحمت سے مطؤن بنا تا ہے اور اپنے اندر ایک پناہ گاہ کا احساس کرتا ہے اور مشکلات و حوادث کے وقت اپنے دل کو تسکین دیتا ہے،چنانچہ خدا وند متعال فرماتا ہے:(ألذین آمنوا وتطؤن قلو بھم بذکرا للهٔألا بذکراللهٔ تطأن القلوب[1])''یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور ان کے دلوں کویاد خدا سے اطمینان حاصل ہوتا ہے اور آگاہ ہو جاؤکہ اطمینان یاد خدا سے ہی حاصل ہوتا ہے۔''

بچوں کوابتداء سے ہی مؤمن اور خدا پرست بنانے کی تربیت کے لئے ضروری ہے کہ ان کے جسم وروح ایمان کے لحاظ سے یکساں ہوں ۔اسی لئے اسلام نے والدین پر ذمہ داری ڈالی ہے کہ اپنے بچوں کوخدا کی طرف متوجہ کریں اور انھیں خدا پرستی اور دین کی تعلیم دیں اور دوسری طرف حکم دیا ہے کہ بچوں کو نماز اور عبادت کی مشق کرائیں۔معاویہ ابن وہب نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیاکہ ہم بچہ کو کس عمر میں نماز پڑھنے کے لئے کہیں؟ آپؑ نے فرمایا:چھ سے سات سال کی عمر میں انھیں نماز پڑھنے کے لئے آمادہ کرنا چاہئے[2]۔رسول خدا ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:''اپنے بچوں کوسات سال کی عمر میں نمازپڑھنے کا حکم دو[3]۔امام محمدباقرعلیہ السلام نے ایک دوسری روایت میں بچوں کی عمر کے مختلف دور میں اعتقادی تربیت کے سلسلہ میں والدین کی ذمہ داریوں کو اس طرح بیان فرمایا ہے'':تین سال کی عمر میں بچہ کو کلمہ لا الہ الا اللہ سکھائیں،چار سال کی عمر میں محمد رسول اللہ سکھائیں،پانچ سال کی عمر میں اسے قبلہ کی طرف رخ کرنا سکھائیں اور اسے حکم دیں کہ سجدہ میں جائے،چھ سال کی عمر میں اسے مکمل طور پر رکوع و سجود سکھائیں اور سات سال کی عمر میں منہ ہاتھ دھونا (وضو)اور نماز پڑھنا سکھائیں[4]۔''والدین اور مربّی کومعلوم ہوناچاہئے کہ مذہب ان کا سب سے بڑا معاون ومدد گار ہے،کیونکہ ایمان ایک روشن چراغ کے مانند ہے جو تاریک راہوں کو روشن

[1] رعد،۲۸
[2] وسائل الشیعہ ج۲،ص۳
[3] مستدرک الوسائل ج۱،ص۱۷۱
[4] مکارم الاخلاق،طبرسی،ص۱۱۵

کرتا ہے اور ضمیروں کو بیدار کرتا ہے اور جہاں کہیں انحراف ہوگا اسے آسانی کے ساتھ اس انحراف وکجروی سے بچاکر حقیقت وسعادت کی طرف رہنمائی کرے گا ۔

بچے میں صحیح تربیت کے آثار

بچوں کی صحیح تربیت ان میں استقلال اور خود اعتمادی کا سبب بنتی ہے اوران کا احترام انھیں با حیثیت انسان بنا تا ہے،کیونکہ جو بچہ ابتداء سے اپنی قدر ومنزلت کو پہچانتا ہے وہ بڑا ہوکراپنے اندر احساس کمتری کاشکار نہیں ہوتا ۔چنانچہ اسلامی روایتوں میں آیا ہے کہ بچہ اوراس کا دل ایک صاف وخالی زمین کے مانند ہے کہ جوبھی بیج اس میں بویا جائے گا اسے قبول کر کے اس کی پرورش کرتی ہے[1]۔مثال کے طور پر حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت رسول خدا ﷺ کی آغوش میں تربیت پانے کے نتیجہ میں رشد و کمال تک پہنچی۔اگرچہ علی علیہ السلام جسم وروح کے اعتبار سے عام بچہ نہیں تھے،بلکہ ان کے وجود مبارک میں مخصوص قابلیتیں موجود تھیں، لیکن ان کے بارے میں پیغمبر اسلام ﷺ کی خصوصی نگرانیوں اور توجہ سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی ۔

بچے کی صحیح تربیت کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ وہ شجاع اوربہادر بنتا ہے۔اس چیز کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی تربیت میں بخوبی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

ابن شہاب کہتا ہے'' :ایک مرتبہ جمعہ کے دن خلیفہ دوم منبرپر تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام بچہ تھے مسجد میں داخل ہوئے اور کہا :اے عمر!میرے باپ کے منبر سے نیچے اترو!عمر نے روتے ہوئے کہا :سچ کہا،یہ منبر آپ کے جدامجد کا ہے، بھتیجے !ذرا ٹھہرو !!امام حسین علیہ السلام عمر کا دامن پکڑے ہوئے کہتے رہے کہ میرے جد کے منبر سے اترو،عمر مجبور ہو کر اپنی گفتگو روک کر منبر سے اتر آئے اور نماز پڑھنے میں مشغول ہوگئے۔نماز کے بعد کسی کوبھیجا تاکہ امام حسین علیہ السلام کو بلاکر لائے۔جوں ہی امام حسین علیہ السلام تشریف لائے،عمر نے پوچھا :بھتیجے!میرے ساتھ اس طرح گفتگو کرنے کاآپ سے کس نے کہا تھا؟امام حسین علیہ

[1] نہج البلاغہ،فیض،خط نمبر ۳۱،ص۹۰۳

السلام نے فرمایا: مجھے کسی نے یہ حکم نہیں دیا ہے۔اورآپؑ نے یہی جملہ تین بار دہرایا،جبکہ امام حسین علیہ السلام اس وقت بالغ بھی نہیں ہوئے تھے[1]۔حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی زندگی کے حالات کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ امام رضا علیہ السلام کی رحلت کے بعد،خلیفہ وقت ،مامون بغداد آیا۔ایک دن شکار کے لئے نکلا راستہ میں ایک ایسی جگہ پر پہنچا جہاں چند بچے کھیل رہے تھے۔امام رضا علیہ السلام کے فرزند امام محمد تقی علیہ السلام ،کہ جن کی عمر اس وقت تقریباً گیارہ سال تھی ،ان بچوں کے درمیان کھڑے تھے۔جوں ہی مامون اور اس کے ساتھی وہاں پہنچے تو سب بچے بھاگ گئے۔

لیکن امام محمد تقی علیہ السلام وہیں کھڑے رہے۔جب خلیفہ نزدیک پہنچا حضرت پر ایکنظر ڈالی اورآپؑ کا نورانی چہرہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ اورآپؑ سے سوال کیا کہ آپ دوسرے بچوں کے ساتھ کیوں نہیں بھاگے؟امام محمد تقی علیہ السلام نے فوراً جواب دیا:اے خلیفہ!راستہ اتنا تنگ نہیں تھا کہ میں خلیفہ کے لئے راستہ چھوڑ کر بھاگتا ۔میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے کہ میں سزا کے ڈر سے بھاگتا ۔

میں خلیفہ کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہوں اور تصور کرتا ہوں کہ وہ بے گناہوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا۔اسی لئے میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور نہیں بھاگا! مامون آپ کے منطقی اور محکم جواب اور آپؑ کے پرکشش چہرہ سے حیرت زدہ رہ گیا اور کہنے لگا آپ کا نام کیا ہے؟امام نے جواب دیا: محمد۔پوچھا:کس کے بیٹے ہو؟آپؑ نے فرمایا:علی بن موسی رضا علیہ السلام کا[2]۔

---

[1] تاریخ المدینۃ المنورہ ج۳،ص۷۹۹
[2] بحار الانوار ج۵۰،ص۹۱،کشف الغمہ ج۴ ،ص۱۸۷

دوسری فصل

محبت

بچوں سے پیار کرو اور ان کے ساتھ مہربانی اور ہمدردی سے پیش آجاؤ۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں سے پیار جس طرح بچہ غذا اور آب وہوا کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح وہ پیار محبت کا بھی محتاج ہوتا ہے۔ بچے کی روح وجان کے لئے پیار محبت بہترین روحانی غذا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بچہ چومنے اور گود میں لینے سے خوش ہوتا ہے۔اس لئے جو بچہ ابتداء سے ہی کافی حد تک اپنے والدین کے پیار و محبت سے سرشار اور ان کے چشمہء محبت سے سیراب رہتا ہے،اس کی روح شاد رہتی ہے۔ائمہ دین کی روایتوں میں بچے سے محبت کرنے کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے اور اس کی تاکید کی گئی ہے۔ہم ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہء شعبانیہ میں لوگوں کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اپنے بڑوں کا احترام کرو اور اپنے بچوں سے ہمدردی اور محبت ومہربانی سے پیش آؤ[1]''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا'': جو شخص مسلمانوں کے بچوں سے رحمدلی اور محبت سے پیش نہ آئے اور بڑوں کا احترام نہ کرے،وہ ہم میں سے نہیں ہے[2]۔ ''ایک اور روایت میں فرمایا'': بچوں سے پیار کرو اور ان کے ساتھ ہمدردی اور نرمی سے پیش آؤ[3]۔ ''حضرت علی علیہ السلام نے شہادت کے موقع یہ وصیت کی: ''اپنے خاندان میں بچوں سے محبت اور بڑوں کا احترام کرو[4]۔آپؑ نے ایک دوسری روایت میں اپنے پیروؤں سے یہ فرمایا'': بچے کو بڑوں کا کردار اختیار کرنا چاہئے اور بڑوں کو بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنا چاہئے،ایسا نہ ہو کہ بچوں کے ساتھ زمانہ جاہلیت کے ظالموں کا جیسا سلوک کریں[5]۔

---

[1] عیون اخبار الرضاج۱،ص ۲۹۵ ،بحار الانوار ج۹۶،ص۳۵۶،وسائل الشیعہ ج۵،ص۱۲۶

[2] مجموعہ ورام ج۱،ص۳۴،المحجۃالبیضاء ج۳،ص۳۶۵

[3] وسائل الشیعہ ج۵،ص۱۲۶،من لایحضرہ الفقیہ ج۳،ص۳۱۱،فروع کافی ج۶،ص۴۹،بحارج۱۰۴ص ۹۳

[4] بحار الانور ج۴۲،ص۲۰۳،امالی مفید،ص۱۲۹

[5] نہج البلاغہ فیض،ص۵۳۱

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ''جو شخص اپنے بچے سے زیادہ محبت کرتا ہے اس پر خداوند متعال کی خاص رحمت اور عنایت ہوگی[1]۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچوں سے پیار

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں ''میں بچہ ہی تھا،پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنی آغوش میں بٹھاتے تھے اور اپنے سینۂ مبارک پر لٹاتے تھے اور کبھی مجھے اپنے بستر میں سلاتے تھے اور شفقت کے ساتھ اپنے چہرے کو میرے چہرے سے ملاتے تھے اور مجھے اپنی خوشبو سے معطر فرماتے تھے[2]۔جی ہاں،بچہ شفقت کا محتاج ہوتاہے،اس کے سر پر دست شفقت رکھنا چاہئے۔اور اس کو محبت بھری نگاہ سے دیکھنا چاہئے اور اسے پیار کی نظروں سے ہمیشہ خوش رکھنا چاہئے[3]۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں پر اتنا مہربان تھے ،کہ نقل کیا گیا ہے کہ جب آپؐ ہجرت فرماکر طائف پہنچے تو وہاں کے بچوں نے آپؐ کو پتھر مارنا شروع کیا لیکن آپ نے انھیں نہیں روکا،بلکہ حضرت علی علیہ السلام نے بچوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور کیا[4]۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب انصار کے بچوں کو دیکھتے تھے تو ان کے سروں پر دست شفقت پھیرتے تھے اور انھیں سلام کرکے دعا دیتے تھے[5]۔انس بن مالک کہتے ہیں ''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ میں نے کسی کو اپنے خاندان والوں سے محبت کرتے نہیں دیکھا[6]۔آپؐ ہر روز صبح اپنے بیٹوں اور نواسوں کے سر پر دست شفقت پھیرتے تھے[7]،بچوں سے پیار و محبت اور شفقت کرنا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے تھا[8]۔ایک دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ ایک جگہ سے گزرے جہاں چند بچے

---

[1] مکارم الاخلاق طبرسی،ص۱۱۵
[2] نہج البلاغہ ،ملا فتح اللہ،ص۴۰۶
[3] مستدرک الوسائل ج۲،ص۶۲۶،مکارم الاخلاق،ص۱۱۳
[4] بحارالانوارج۲۰ص۵۲و۶۷،تفسیر قمی ج۱ص۱۱۵
[5] شرف النبی،خرگوشی ج۱،ص۱۱۵
[6] سیرہ دحلان،حاشیہ سیرہ حلبیہ ج۳،ص ۵۲۵،السیراۃالنبویہ،ابن کثیرج۴ص۶۱۲
[7] بحارالانورج۴،ص۹۹،عدۃالداعی ص۶۱
[8] المجحۃالبیضاج۳،ص۳۶۶

کھیل رہے تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان بچوں میں سے ایک کے پاس بیٹھے اور اس کے ماتھے کو چوما اور اس سے شفقت کے ساتھ پیش آئے۔آپؐ سے جب اس کا سبب پوچھا گیا،تو آپؐ نے فرمایا :میں نے ایک دن دیکھا کہ یہ بچہ میرے فرزند حسین علیہ السلام کے ساتھ کھیل رہا تھا اور حسین علیہ السلام کے پاؤں کے نیچے سے خاک اٹھا کر اپنے چہرہ پر مل رہا تھا۔چونکہ یہ بچہ حسین علیہ السلام کو دوست رکھتا ہے اس لئے میں بھی اسے دوست رکھتا ہوں۔جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ بچہ کربلا میں حسین علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہوگا[1]۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا''،موسیٰ ابن عمران نے اپنی مناجات میں خدا وند متعال سے سوال کیا :پرور دگارا!تیرے نزدیک کون سا عمل بہتر ہے؟وحی ہوئی: بچوں سے پیار کرنا میرے نزدیک تمام اعمال سے برتر ہے،کیونکہ بچے ذاتی طور پر خدا پرست ہوتے ہیں اور مجھے محبت کرتے ہیں ۔اگر کوئی بچہ مر جاتا ہے تو میں اسے اپنی رحمت سے بہشت میں داخل کرتا ہوں[2]۔مگر بچوں سے بہت زیادہ محبت بھی نہیں کرنی چاہئے،کیونکہ اس کے نقصانات ہیں۔اسی لئے اسلامی روایات میں بچوں کے ساتھ بہت زیادہ محبت کرنے کا منع کیا گیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے پیار

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسوں امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے بہت محبت کرتے تھے۔یہ حقیقت بہت سی کتابوں میں بیان ہوئی ہے،اس سلسلہ میں چند نمونے ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:اہل سنّت کی کتابوں مین نقل ہوا ہے کہ عبداللہ ابن عمر سے روایت کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'':امام حسن اورامام حسین علیہما السلام،دنیا میں میرے خوشبودار پھول ہیں[3]۔'' اہل سنت کے منابع سے نقل کرکے انس بن مالک سے نقل کیا گیا ہے کہ ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپؐ اپنے اہل بیت میں

[1] بحار الانوار ج۴۴ص۲۴۲ح۳۶
[2] بحار الانوار،ج۱۰۴،ص۹۷و۱۰۵
[3] احقاق الحق ج۱۰،ص۵۹۵

سے کس کو زیادہ چاہتے ہیں؟رسول خدا ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ میں حسن اور امام حسین علیہما (علیہ السلام) کو دوسروں سے زیادہ دوست رکھتا ہوں[1]۔ ایک اور روایت میں سعید ابن راشد کہتا ہے '':امام حسن اور امام حسین علیہما (علیہ السلام) رسول خدا ﷺ کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔آپؐ نے انھیں گود میں اٹھایا اورفرمایا:یہ دنیا میں میرے دو خوشبو دار پھول ہیں[2]۔'' امام حسن مجتبی علیہ السلام نے فرمایا:''رسول خدا ﷺ نے مجھ سے فرمایا:اے میرے فرزند!تم حقیقت میں میرے لخت جگر ہو،خوش نصیب ہے وہ شخص جو تم سے اور تمہاری اولاد سے محبت کرے اور وائے ہو اس شخص پر جو تم کو قتل کرے[3]۔''رسول خدا ﷺ امام حسین علیہ السلام سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپؐ ان کا رونا برداشت نہیں کرپاتے تھے۔

یزید ابن ابی زیاد کہتا ہے'':رسول خدا ﷺ عائشہ کے گھر سے باہر تشریف لائے۔اور فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر سے گزرے امام حسین علیہ السلام کے رونے کی آواز سنی،توآپؐ نے فاطمہ سلام اللہ علیہا سے فرمایا:کیا تم نہیں جانتی ہو کہ مجھے حسین (علیہ السلام) کے رونے سے تکلیف ہوتی ہ[4]ے؟!''

بچوں کے حق میں پیغمبر اسلام ﷺ کی دعا

بچوں سے متعلق پیغمبر اسلام ﷺ یہ معمول تھاکہ مسلمان اپنے بچوں کو آپؐ کی خدمت میں لاتے تھے اور آپؐ سے ان کے حق میں دعا کرنے کی درخواست کرتے تھے۔جمرہ بنت عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک بیٹی نے کہا'':میرا باپ مجھے پیغمبر خدا

[1] احقاق الحق،ج ۱۰،ص ۶۵۵مختلف منابع سے نقل کرکے
[2] احقاق الحق ج۱۰،ص۶۰۹ ،۶۱۹،۶۲۱و ۶۲۳ بے شمارمنابع سے نقل کرکے
[3] ملحقات احقاق الحق ج۱۱،ص۳۱۶
[4] ملحقات احقاق الحق ج۱۱،ص۳۱۱ تا۳۱۴

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور آپؐ سے درخواست کی کہ میرے حق میں دعا کریں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنی آغوش میں بٹھا کر میرے سر پر دست شفقت رکھا اور میرے لئے دعا فرمائی[1]۔

بچوں سے شفقت کرنا

عباس بن عبد المطلب کی بیوی،ام الفضل،جو امام حسین علیہ السلام کی دایہ تھی،کہتی ہے ’’:ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسین علیہ السلام،جو اس وقت شیر خوار بچہ تھے،کو مجھ سے لے کر اپنی آغوش میں بٹھایا، بچے نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس کو تر کر دیا۔ میں نے جلدی سے بچے کو آنحضرتؐ سے لے لیا نتیجہ میں بچہ رونے لگا ۔آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا :ام الفضل!آہستہ!میرے لباس کو پانی پاک کر سکتا ہے،لیکن میرے فرزند حسین علیہ السلام کے دل سے اس رنج و تکلیف کے غبار کو کونسی چیز دور کر سکتی ہے؟[2]‘‘منقول ہے کہ جب کسی بچے کو دعا یا نام رکھنے کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لاتے تھے۔توآپؐ اس بچہ کے رشتہ داروں کے احترام میں ہاتھ پھیلا کر بچے کو آغوش میں لیتے تھے۔ کبھی ایسا اتفاق بھی ہوتا تھا کہ بچہ آپؐ کے دامن کو ترکر دیتا تھا،موجود افراد بچے کو ڈانٹتے تھے تاکہ اسے پیشاب کرنے سے روک دیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں منع کرتے ہوئے فرماتے تھے: ’’سختی کے ساتھ بچے کو پیشاب کرنے سے نہ روکنا ‘‘،اس کے بعد بچے کو آزاد چھوڑتے تھے تاکہ پیشاب کرکے فارغ ہو جائے۔ جب دعا ونام گزاری کی رسم ختم ہو جاتی،تو بچے کے رشتہ دار نہایت ہی خوشی سے اپنے فرزند کو آنحضرتؐ سے لیتے اور بچے کے پیشاب کرنے کی وجہ سے آپؐ ذرا بھی ناراض نہیں ہوتے تھے۔ بچے کے رشتہ داروں کے جانے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا لباس دھو لیتے تھ[3]ے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچوں کو تحفہ دینا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچوں کے ساتھ حسن سلوک کا ایک اور نمونہ یہ تھا کہ آپؐ ان کو تحفے دیتے تھے۔

---

[1] مجمع الزوائد،ج۹ ،ص۲۶۶

[2] بحارالانور،ج۸۰ ،ص۱۰۴،اللهوف ابن طاوس ،ص۱۲،هدیة الاحباب ،ص۱۷۶

[3] معانی الاخبار،ص۲۱۱،مکارم الاخلاق ص۱۵ ،بحار الانور ج۶،ص۲۴۰

عائشہ کہتی ہیں''؛حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حبشہ میں بنی ہوئی سونے کی ایک انگوٹھی تحفہ کے طورپر بھیجی ۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامہ بنت ابی العاص(جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ربیبہ تھی)کو بلا کر فرمایا :بیٹی!اس تحفہ سے اپنے آپ کو زینت دو[1]۔ایک دوسری حدیث میں عائشہ کہتی ہیں''؛پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک سونے کا گلوبند تحفہ کے طور پر لایا گیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام بیویاں ایک جگہ جمع ہوگئی تھیں۔امامہ بنت ابی العاص،جو ایک چھوٹی بچی تھی،گھر کے ایک کونے میں کھیل رہی تھی۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گلوبند کودکھا کر ہم سے پوچھا :تمہیں یہ کیسا لگ رہا ہے ؟ہم سب نے اس پر نظر ڈال کر کہا :ہم نے آج تک اس سے بہتر گلوبند نہیں دیکھا ہے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :اسے مجھے دیدو ۔عائشہ کہتی ہیں:میری آنکھوں میں تاریکی چھاگئی ۔میں ڈر گئی کہیںآپ اسے کسی دوسری بیوی کی گردن میں نہ ڈال دیں۔ اوردوسری بیویوں نے بھی ایسا ہی تصور کیا۔ہم سب خاموش تھے،اسی اثنا میں امامہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آگئی اور آپ نے گلوبند کو اس کی گردن میں ڈال دیا پھر وہاں سے تشریف لے گئے[2]۔''،بعض روایتوں میں اس طرح نقل ہوا کہ ایک عرب نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر کہا :

''اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !میں ہرن کے ایک بچہ کوشکار کر کے لایا ہوں تاکہ تحفہ کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کروں اور آپ اسے اپنے فرزند امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو دیدیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحفہ کو قبول کر کے شکاری کے لئے دعا کی ۔اس کے بعد اس ہرن کے بچے کوامام حسن علیہ السلام کو دیا ۔امام حسن علیہ السلام اس ہرن کے بچہ کو لے کر اپنی والدہ حضرت فاطمہ زہراء* کی خدمت میں آئے۔لہذا امام حسن علیہ السلام بہت خوش تھے اور اس ہرن کے بچہ سے کھیل رہے تھے[3]۔ شہیدوں کے بچوں کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلوکبشیرا بن عقربہ ا بن جہنی کہتا ہے'':میں نے جنگ احدکے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ میرے والد کس طرح شہید ہوئے؟آپؑنے فرمایا :''وہ خدا کی راہ میں شہید ہوئے،ان پر خدا کی رحمت ہو ۔میں رونے لگا۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے نزدیک بلاکر میرے سر پر دست شفقت پھیرا اورمجھے اپنے مرکب پر سوار کرکے

---

[1] سنن ابن ماجہ،ج ۲ ،ص۱۳۰۳

[2] مجمع الزوائد،ج۹،ص۲۵۴

[3] بحار الانوار،ج۴۳،ص۳۱۲

فرمایا :کیا تمھیں پسند نہیں ہے کہ میں تمہارے باپ کی جگہ پر ہوں[1]؟۔جمادی الاول ۸ھ ہجری کو جنگ موتہ واقع ہوئی۔اس جنگ میں لشکر اسلام کے تین کمانڈر ،زیدا بن حارثہ،جعفرا بن ابیطالب اور عبداللہ ا بن رواحہ شہید ہوئے ۔یہ لشکر واپس مدینہ پلٹا[2] رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان ترانہ پڑھتے ہوئے اس لشکر کے استقبال کے لئے نکلے۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرکب پر سوار تھے اور فرمارہے تھے ''بچوں کو مرکبوں پر سوار کرو اور جعفر کے بیٹے کومجھے دو !عبیداللہ ا بن جعفرابن ابی طالب کو لایا گیا ۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے سامنے مرکب پر بٹھای[3]۔

ابن ہشام لکھتا ہے : جعفر کی بیوی ،اسماء بنت عمیس کہتی ہے '' :جس دن جعفر جنگ موتہ میں شہید ہوئے اس دن،پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے ۔اور میں اسی وقت گھر کے کام کاج صفائی اور بچوں کونہلا دھلا کر فارغ ہوئی تھی آپ نے مجھ سے فرمایا : جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ !میں ان کو آنحضرت کی خدمت میں لے گئی،آپ نے بچوں کو اپنی آغوش میں بٹھاکرپیار کیا جبکہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔میں نے سوال کیا :اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !میرے ماں باپ آپ پر فدا ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں آپ کو کوئی خبر ملی ہے ؟آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :جی ہاں ،وہ آج شہید ہوگئے[4]۔ بیشک،لوگوں کے بچے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پدرانہ شفقت سے محروم نہیں (ترجمہ) تھے۔ منقول ہے کہ '':رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض بچوں کو اپنی گود میں لیتے تھے اور بعض کو اپنی پشت اور کندھوں پر بٹھاتے تھے (اور اپنے اصحاب سے فرماتے تھے:کہ بچوں کو گود میں لے لو ،انھیں اپنے کندھوں پر سوار کرو) بچے اس سے خوش ہوتے تھے اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے اور ان دلچسپ یادوں کو کبھی نہیں بھولتے تھے،بلکہ کچھ مدت کے بعد اکٹھا ہوکران باتوں کو ایک دوسرے کے سامنے بیان

---

[1] مجمع الزوائد ج ۸،ص۱۶۱
[2] سیرۂ ابن ہشام ج۲،ص۳۸۱
[3] مسند احمد حنبل ج۱،ص۳۳۴ ،صحیح مسلم ج۱۵ ،ص۱۹۶ ،السیرةالحلبیۃ ج۳،ص۶۹
[4] سیرۂ ابن ہشام ،ج۲ ص ۲۵۲۔

کرتے تھے اور فخر ومباہات کے ساتھ کوئی یہ کہتا تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے گود میں لیا اور تجھے اپنی پشت پر سوار کیا ۔ دوسرا کہتا تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کو حکم دیتے تھے کہ تمہیں اپنی پشت پر سوار کریں[1] ۔'

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نماز کی حالت میں اپنے بچوں سے حسن سلوک

شداد بن ہاد کہتا ہے'': رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن نماز ظہر یا عصر پڑھ رہے تھے اور آپ کے بیٹوں حسن علیہ السلام وحسین علیہ السلام میں سے کوئی ایک آپ کے ساتھ تھا ۔ آپؐ نمازیوں کی صفوں کے آگے کھڑے ہوگئے اور اس بچے کو اپنے دائیں طرف بٹھادیا ۔ اس کے بعد آپ سجدہ میں گئے اور سجدہ کو طول دیا ۔ راوی اپنے باپ سے نقل کرتا ہے: میں نے لوگوں کے درمیان سجدہ سے سر اٹھایا، دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی سجدہ میں ہیں اور وہ بچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر سوار ہے، میں دوبارہ سجدہ میں چلاگیا ۔ جب نماز ختم ہوئی، لوگوں نے عرض کی کہ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج جو نماز آپ نے پڑھی اس میں ایک سجدہ بہت طولانی کیا کہ دوسری نمازوں میں آپ نے اتنا طولانی سجدہ نہیں کیا ، کیا اس سلسلہ میں آپؐ کے پاس کوئی حکم آیا ہے یا کوئی وحی نازل ہوئی ہے ؟آپ نے جواب میں فرمایا :ایسا کچھ نہیں تھا بلکہ میرا فرزند میری پشت پر سوار ہوگیا تھا ، میں اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لئے میں نے اسے آزاد چھوڑدیا کہ جو چاہے کرے[2] ۔

ایک دوسری حدیث میں ابوبکر سے منقول ہے'': میں نے حسن اور حسین علیہما السلام کو دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت نماز میں ہیں اور یہ اُچھل کرآپ کی پشت پر سوار ہورہے ہیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں بچوں کو ہاتھ سے پکڑ لے رہے تھے تاکہ آپ کھڑے ہوجائیں اور اپنی کمر سیدھی کرلیں اور بچے آسانی کے ساتھ زمین پر اتر جائیں ۔ نماز کو ختم کرنے کے بعد آنحضرتؐ دونوں بچوں کو آغوش میں لے کر ان کے سروں پر دست شفقت پھیرتے ہوئے فرماتے تھے: یہ میرے دونوں بیٹے خوشبودار پھول حسن و حسین

---

[1] المحجۃ البیضاج۳،ص۳۶۶
[2] مستدرک حاکم ج۳،ص۱۶۵،مستدرک احمدحنبل ج۳،ص۴۹۳

ہیں[1]۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بچہ خوشبودار پھول ہے اور میرے خوشبودار پھول حسن و حسین علیھما السلام ہیں ایک روایت میں اس طرح نقل ہوا ہے ''ایک دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ایک جگہ نماز پڑھ رہے تھے،جب آنحضرت سجدہ میں جاتے تھے تو حسین علیہ السلام ،جو کہ بچہ تھے،آپکی پشت پر سوار ہوکر اپنے پاؤں کو ہلاتے ہوئے ''ہے ہے''کرتے تھے۔جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ سے سر اٹھانا چاہتے تھے،تو امام حسین علیہ السلام کو ہاتھ سے پکڑ کرزمین پر بٹھاتے تھے ،یہ کام نماز کے ختم ہونے تک جاری رہتا تھا۔ایک یہودی اس ماجرے کو دیکھ رہاتھا ۔اس نے نماز کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی :آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بچوں سے ایسا برتاؤ کر رہے ہیں کہ ہم ہرگز ایسا نہیں کرتے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :اگر تم لوگ خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے تو اپنے بچوں سے شفقت کرتے ۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچوں کے ساتھ مہر و محبت نے یہودی کو اس قدر متاثر کیا کہ اس نے اسلام قبول کرلیا[2]۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں کے بچوں کا بھی احترام کرتے تھے اور آپؐ ان کے نفسیاتی جذبات کا بھی پورا پورا خیال رکھتے تھے۔

---

[1] مقتل الحسین خوارزمی،ص۱۳۰،الارشادمفیدج۲،ص۲۵،ملحقاق احقاق الحق ج۱۰،ص۶۱۵وج۱۱ص۵۰

[2] بحار الانورج۴۳،ص۲۹۴تا۲۹۶

تیسری فصل

بچوں کا بوسہ لینا

''بچے خوشبودار پھول ہیں۔'' پیغمبر اکرم ﷺ بچوں کے ساتھ رسول خدا ﷺ کے حسن سلوک میں سے ان کا بوسہ لینا بھی ہے۔اس سلوک کا اثر یہ ہے کہ والدین اور اولاد کے درمیان گہری محبت پیدا ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ بچے کی محبت کی پیاس کو بجھانے کا یہ بہترین طریقہ ہے اور بوسہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ماں باپ بچے سے محبت رکھتے ہیں نیز یہی بوسہ بچے کے اندر بھی پیار محبت کے جذبے کو زندہ رکھنے کا سبب بنتا ہے اور بچہ اپنے والدین کے دل میں اپنے تئیں رکھنے والی محبت سے آگاہ ہوجاتا ہے اور اس کے اندر ایک نیا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے۔قابل توجہ بات یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ اکثر اوقات لوگوں کے سامنے اپنے بچوں سے محبت کا اظہار کرتے تھے۔

اس کے دو فائدے تھے:اول یہ کہ لوگوں کے سامنے بچوں کا احترام کرنے سے ان کی شخصیت بنتی ہے۔دوسرے یہ کہ رسول خدا ﷺ اس سلوک سے لوگوں کو بچوں کی تربیت کا طریقہ سکھاتے تھے۔اسلام میں اپنے بچے کا بوسہ لینے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ’’:جو شخص اپنے بچے کا بوسہ لیتاہے،خدا وند متعال اس کے حق میں ایک نیکی لکھتا ہے اور جو شخص اپنے بچے کو خوش کرتا ہے،خدا وند متعال قیامت کے دن اس کو خوش کرے گا[1]۔

عائشہ کہتی ہیں ’’:ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آگیا اور کہا :کیا آپ بچوں کا بوسہ لیتے ہیں؟میں نے کبھی کسی بچے کا بوسہ نہیں لیا ہے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :میں کیا کروں کہ خدا وند متعال نے تیرے دل سے اپنی رحمت کو نکال لیا ہے[2]؟ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ ’’ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا :میں نے آج تک کسی بھی بچے کا بوسہ نہیں لیاہے!جیسے ہی یہ شخص گیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :میری نظر میں یہ شخص جہنّمی ہے[3]۔ ‘‘ایک اور روایت میں آیا ہے ’’:رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن وحسین علیھما السلام کا بوسہ لیا۔اقرع ابن حابس نے کہا:میرے دس فرزند ہیں اور میں نے کبھی ان میں سے کسی ایک کا بھی بوسہ نہیں لیا ہے!رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :میں کیا کروں کہ خدا وند متعال نے تجھ سے رحمت چھین لی ہے[4]؟!علی علیہ السلام نے فرمایا ’’:اپنے بچوں کا بوسہ لیا کرو ،کیونکہ تمھیں ہر بوسہ کے عوض(جنت کا) ایک درجہ ملے گا[5]۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ’’:اپنے بچوں کا زیادہ بوسہ لیا کرو ،کیونکہ ہر بوسہ کے مقا عوض میں خدا وند متعال تمھیں (جنت میں) ایک درجہ عنایت فرمائے گا[6]۔ابن عباس کہتے ہیں ’’: میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھاآپ کے بائیں زانو پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے ابراھیم علیہ السلام اور دائیں زانو پر امام حسین علیہ السلام بیٹھے تھے۔آنحضرت کبھی ابراھیم علیہ السلام کا اور کبھی امام حسین علیہ السلام کا بوسہ لیتے تھے[7]۔

---

[1] کافی ج۶،ص۴۹،مکارم الاخلاق،ص۱۱۳،بحارالانوارج۳۳،ص۱۱۳

[2] صحیح بخاری ج۸ ص۹ ۶۱۔بحار الانوارج۱۰۴ ص۹۹،وسائل الشیعہ ج۱۵،ص۲۰۲ ،کافی ج۶ ص۵۰

[3] صحیح بخاری ج۸ ص۹ ۶۱۔بحار الانوارج۱۰۴ ص۹۹،وسائل الشیعہ ج۱۵،ص۲۰۲ ،کافی ج۶ ص۵۰

[4] بحارالانوار ج۱۰۴ ،ص۹۳

[5] وسائل الشیعہ ج۱۵ ،ص۱۲۶

[6] وسائل الشیعہ ج۱۵،ص ۱۲۶

[7] بحار الانوار ج۴۳ ،ص۱۶۱ وج۲۲ ،ص۱۵۳ ،مناقب ابن شہر آشوب ج۳،ص۲۳۴

بچوں کے ساتھ انصاف کرنا

ایک اہم نکتہ جسے والدین کو اپنے بچوں کے بارے میں ملحوظ رکھنا چاہئے یہ ہے کہ وہ بچوں کے درمیان عدل وانصاف سے کام لیں کیونکہ بچوں کو ابتداء سے ہی عدلوانصاف کا مزہ چکھنا چاہئے تاکہ اس کی خوبی کو محوس کریں اور اس سے آشنا ہوجائیں اور اسے اپنی زندگی اور معاشرہ کے لئے ضروری سمجھیں اور بے انصافی، ظلم اورہر طرح کے امتیازسے پرہیز کریں۔کیونکہ بچوں کی زندگی میں کوئی چیز چھوٹی نہیں ہوتی،لہذاعدل وانصاف کے نفاذ میں چھوٹی سے چھوٹی چیز کا خیال رکھنا ضروری ہے۔حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں ''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے شخص کو دیکھا کہ جس کے دو بچے تھے،اس نے ایک کا بوسہ لیا اور دوسرے کا بوسہ نہیں لیا ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:تم نے کیوں ان کے درمیان عدل وانصاف سے کام نہیں لیا ۔''[1] ابی سعید خدری کہتے ہیں '':ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی فاطمہ * کے گھر تشریف لے گئے۔علی علیہ السلام بستر پر محوآرام تھے،حسن،اور حسین علیہما السلام بھی ان کے پاس تھے ۔انہونے پانی مانگا ،رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے پانی لائے۔حسین علیہ السلام آگے بڑھے،پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :تمہارے بھائی حسن(علیہ السلام) نے تم سے پہلے پانی مانگا ہے۔فاطمہ * نے فر مایا :کیا آپ،حسن علیہ السلام سے زیادہ محبت رکھتے ہیں؟آنحضرت،نے فرمایا :میرے نزدیک دونوں برابر ہیں کوئی بھی ایک دوسرے سے برتر نہیں ہے ''لیکن عدل وانصاف سے کام لینا ضروری ہے ۔ہر ایک کو اپنی نوبت پر پانی پینا چاہئے انس کہتے ہیں '':ایک شخص پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا ۔اس کا بیٹا آگیا ۔باپ نے اسے چوم کر اپنے زانو پر بیٹھالیا ۔اس کے بعد اس کی بیٹی آگئی ۔(بوسہ لئے بغیر)اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فر مایا :تم نے کیوں ان کے درمیان عدل وانصاف سے کام نہیں لیا[2]؟

[1] مجمع الزوائد۹،ص۱۷۱
[2] مجمع الزوائد ۸ ،ص۱۵۸ ،مکارم الاخلاق،ص۱۱۳

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ''؛اپنے بچوں کے درمیان اسی طرح عدل وانصاف سے کام لو،جس طرح تم خود چاہتے ہو کہ تمھارے ساتھ عدل وانصاف کیا جائے[1]۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت فاطمہ زہرا کو بوسہ دینا

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا علیہا اسلام سے بہت محبت کرتے تھے،باوجودیکہ حضرت فاطمہ کی شادی ہو چکی تھی اور بچے بھی ہو چکے تھے،آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا بوسہ لیتے تھے۔ابان ابن تغلب کہتے ہیں ''؛پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی فاطمہ *کو بہت بوسہ دیتے تھے[2]۔امام باقر علیہ السلام اور امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ''؛پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو سونے سے پہلے فاطمہ *کو بوسہ دیتے تھے اور اپنے چہرے کو ان کے سینہ پر رکھ کر ان کے لئے دعا کرتے تھے[3]۔عائشہ کہتی ہیں ''؛ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ *کے گلے کا بوسہ لیا۔میں نے آنحضرتؐ سے کہا :اے رسول خداؐ فاطمہ *کے ساتھ آپ جیسا برتاؤ کررہے ہیں ایسا دوسروں کے ساتھ نہں کرتے؟پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :اے عائشہ !جب مجھے بہشت کا شوق ہوتا ہے تومیں فاطمہ *کے گلے کا بوسہ لیتا ہوں[4]۔ ''کس عمر کے بعد بچے کا بوسہ نہیں لینا چاہئے؟اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بچوں کو کس عمر کے بعد نہیں چومنا چاہئے؟اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں ائمہ دین کی احادیث کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔اسلام نے بچوں کی تربیت کے سلسلے میں چھ سے دس سال تک کی عمر پر خاص توجہ دی ہے اور اپنے پیرؤں کو ضروری ہدایتیں دی ہیں اور لوگوں کی جسمی اور روحی حالت کے مطابق قوانین الٰہی بنائے گئے ہیں۔اس طرح عملی طریقے سے بچوں کے جنسی رجحانات کوکنٹرول کیا ہے تاکہ ان میں اخلاقی برائیاں پیدا نہ ہوں۔

---

[1] بحار الانوار،ج۱۰۴ ،ص۹۲ ،ح۱۶
[2] بحار الانوار ،ج۸،ص۱۴۲
[3] بحارالانوارج۴۳ ،ص ۴۲ تا۵۵
[4] ذخائر العقبی ،ص۳۶ ،ینابیع المودة،ص۲۶۰

اس لئے ،اسلام چھ سال سے زیادہ عمر کے بچوں کو جنسی میلانات کو ابھارنے والی ہر چیز سے دور رکھتا ہے اور والدین کو ہدایت دیتا ہے کہ اپنے بچوں کے جنسی رجحات کو قابو میں رکھنے کے لئے مناسب ماحول فراہم کریں۔رسول خدا ﷺ نے فرمایا ''؛چھ سال کی لڑکی کا کوئی مرد بوسہ نہ لے اور اسی طرح عورتیں بھی چھ سات سال کی عمر کے بعد کسی لڑکے کو چومنے سے پرہیز کریں[1]۔

پیغمبر اسلامﷺ کا امام حسن،اور امام حسین علیہما السلام کو چومنا

پیغمبر اکرم ﷺ اپنی بیٹی فاطمہ زہراء* کا بوسہ لینے کے علاوہ ان کے بیٹوں امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے بھی محبت کرتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے۔ابو ہریرہ کہتے ہیں ''؛پیغمبر اکرم ﷺ ہمیشہ حسن و حسین علیہما السلام کا بوسہ لیتے تھے۔انصار میں سے عینہ نے کہا :میرے دس بچے ہیں،اور میں نے کبھی ان میں سے کسی ایک کا بوسہ نہیں لیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا : ''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا[2]۔سلمان فارسی کہتے ہیں ''؛میں رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا،دیکھا کہ آپ ﷺ حسین علیہ السلام کو اپنے زانو پر بٹھا کر کبھی ان کی پیشانی اور کبھی ان کے ہونٹوں کا بوسہ لے رہے ہیں[3]ابن ابی الدنیا کہتے ہیں '' : زید ابن ارقم نے جب عبیداللہ ابن زیاد کی مجلس میں دیکھا کہ وہ فاسق ایک چھڑی سے امام حسین علیہ السلام کے لبوں سے بے ادبی کر رہا ہے تو انہوں نے عبیداللہ ابن زیاد سے مخاطب ہو کر کہا :چھڑی کو ہٹا لو،خدا کی قسم میں نے بارہا پیغمبر اکرم ﷺ کو ان دونوں لبوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے ۔یہ جملہ کہنے کے بعد زید رونے لگے،ابن زیاد نے کہا :خدا تیری آنکھوں کو ہمیشہ رلائے،اگر تم بوڑھے نہ ہوتے اور تمہاری عقل زائل نہ ہو گئی ہوتی تو میں ابھی تمہاری گردن مار دینے کا حکم دے دیتا[4]۔زمخشری کہتا ہے '' ؛رسول خدا ﷺ نے حسن علیہ السلام کو آغوش میں لے کر ان کا بوسہ لیا ۔اس کے بعد انھیں

[1] مکارم الاخلاق،ص۱۱۵
[2] مستدرک حاکم ج۳،ص۱۷۰،الادب المفرد،بخاری ص۳۴
[3] بحارالانوار ج ۳۶،ص۲۴۱،کمال الدین وتمام النعمتص۱۵۲ ،الخصال ج۲،ص۷۶ ،کفایۃالاثرص ۷
[4] الصواعق المحرقہ ص۱۹۶ ،احقاق الحق ج۱۰ ،ص۷۴۶

اپنے زانو پر بٹھالیا اور فرمایا :میں نے اپنے حلم ،صبر اور ہیبت کو انھیں بخشا اس کے بعد حسین علیہ السلام کو آغوش میں لے کر ان کا بوسہ لیا اور انھیں بائیں زانو پر بٹھا کر فرمایا :میں نے اپنی شجاعت اور جودو کرم کو انھیں بخشا[1]

چوتھی فصل

بچوں کے ساتھ کھیلنا

جس شخص کے یہاں کوئی بچہ ہو،اُسے اس بچہ کے ساتھ بچوں جیسا سلوک کرنا چاہئے۔پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بچوں کی شخصیت کو سنوار نے کے لئے مؤثر طریقہ بڑوں کاان کے ساتھ کھیلنا ہے۔ کیونکہ بچے ایک طرف تو اپنے اندر جسمانی کمزوری کا احساس کرتے ہیں اور دوسری طرف بڑوں کے اندر موجود طاقت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو فطری طور پر ان کو رشد وکمال سے جو عشق ہوتا ہے وہ اس امر کا سبب بنتا ہے کہ وہ بڑوں کے طریقہ کار پر عمل کریں اور خود کو ان کا جیسا بنا کر دکھائیں۔جب والدین بچے بن کر ان کے ساتھ کھیل کود

[1] ربیع الابرار ،ص۵۱۳

میں شریک ہوتے ہیں ،تو یقیناً بچہ مسرور اور خوش ہوتاہے اور جذبات میں آکر محسوس کرتا ہے کہ اس کے بچگانہ کام کافی اہمیت رکھتے ہیں ۔اس لئے آج کل کے تربیتی پروگراموں میں بڑوں کا بچوں کے ساتھ کھیلنا ایک قابل قدر امر سمجھا جاتا ہے اور علم نفسیات کے ماہرین اس طریقہ کار کو والدین کی ذمہ داری جانتے ہیں ۔

ٹی،ایچ،موریس''(T.H.MORRIS)اپنی کتاب والدین کے لئے چند اسباق''میں لکھتا ہے'':اپنے بچوں کے رفیق اور دوست بن جاؤ،ان کے ساتھ کھیلو،ان کو کہانیاں سناؤ۔اور ان کے ساتھ دوستانہ اور مخلصانہ گفتگو کرو۔بالخصوص والدین کو چاہئے کہ وہ بچوں کے ساتھ بچہ بن جائیں اور ان سے ایسی بات کریں کہ وہ ان کی بات کو سمجھ سکیں[1]۔''ایک اور ماہر نفسیات لکھتا ہے: ''باپ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کے تفریحی پروگراموں میں شرکت کرے۔یہ حسن تفاہم ضروری ہے۔لیکن بچوں کی زندگی سے مربوط زمان ومکان اور موسم مختلف ہوتے ہیں۔جو باپ اپنے بچوں کے کھیل کود میں شرکت کرتا ہے،بیشک وہ مختصر مدت کے لئے ایسا کرتا ہے،لیکن اس کا بچوں کے ساتھ بچہ بننا، چاہے کم مدت کے لئے ہی ہو بچوں کی نظر میں اس کی اتنی اہمیت ہے۔کہ اس کو بہر حال اس کے لئے وقت نکالنا چاہئے خواہ کم ہی ہو[2]۔

بچوں کے کھیلنے کی فطرت

خدا وند متعال نے جو جبلتیں بچوں میں قرار دی ہیں،ان میں سے ایک ان کی کھیل کود سے دلچسپی بھی ہے۔وہ دوڑتا ہے،اچھل کود کرتا ہے اور کبھی اپنے کھلونوں کے ساتھ مشغول رہتا ہے اور ان کو اُلٹ پلٹ کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے۔اگر چہ اس کی یہ حرکتیں ابتداء میں فضول دکھائی دیتی ہیں،لیکن حقیقت میں یہ بچے کے جسم وروح کے کمال کا سبب بنتی ہیں،اس کے نتیجہ میں بچے کا

[1] ''ماوفرزندان،''ص۴۵
[2] ماو فرزندان،ص۲۲

بدن مضبوط ہو جاتا ہے اور اس کے اندر غور وفکر اور تخلیق کی قوت بڑھ جاتی ہے اور اس کے اندر موجود پوشیدہ توانائیاں آشکار ہوجاتی ہیں۔شاید اسلامی روایات میں بچوں کے کھیل کود کو اہمیت دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔

بچے کا کھیلنا،اس کے ارادہ کی آزادی اور قوت تخلیق کو زندہ کرنے کی مشق ہے،کیونکہجب بچہ کھلونوں سے ایک عمارت بنانے میں مشغول ہوتا ہے،اس کی فکر ایک انجینئر کے مانند کام کرتی ہے اور وہ اپنی کامیابیوں سے لذت محسوس کرتا ہے۔جب وہ اس کام کو انجام دینے کے دوران کسی مشکل سے دو چار ہوتا ہے تو اس کا حل تلاش کرتا ہے،نتیجہ میں یہ تمام کام اس کی فکر کی نشو ونمااور اس کی شخصیت کو بنانے میں کافی مؤثر ہوتے ہیں۔

رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم نے فرمایا'':جس شخص کے یہاں کوئی بچہ ہواسے اس بچہ کے ساتھ بچوں جیسا سلوک کرنا چاہئے[1]۔ نیز فرمایا'':اس باپ پر خدا کی رحمت ہوجو نیکی اور کار خیر میں اپنے بچے کی مدد کرتاہے۔اس کے ساتھ نیکی کرے اور ایک بچے کے مانند اس کادوست بن جائے اور اسے دانشور اور باادب بنائے[2]۔''حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا'':اپنے بچے کو سات سال تک آزاد چھوڑدو تاکہ وہ کھیلتا رہے[3]۔''امام جعفر صادق علیہ السلا م نے فرمایا'':بچہ اپنی زندگی کے ابتدائی سات سال کے دوران کھیلتا ہے۔دوسرے سات سال کے دوران علم سیکھنے میں لگتا ہے اور تیسرے سات سال کے دوران حلال وحرام (دینی احکام) سیکھتا ہے[4]۔''حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا'':جس شخص کے یہاں کوئی بچہ ہواسے اس کی تربیت میں اس کے ساتھ بچے جیسا برتاؤ کرنا چاہئے[5]۔پیغمبر اسلام صلى الله عليه وآله وسلم کا بچوں کے ساتھ کھیلنارسول اکرم صلى الله عليه وآله وسلم اپنے بچوں،امام حسن و امام حسین علیھما السلام کے ساتھ کھیلتے تھے۔اس سلسلہ میں بہت سی روایتیں نقل کی گئی ہیں،ہم یہاں ان میں سے چند روایتیں بیان کرتے

---

[1] وسائل الشیعہ ج۱۵،ص۲۰۳،من لایحضرہ الفقیہ ج۳،ص۳۱۲،کنز العمال،خ۴۵۴۱۳
[2] مستدرک الوسائل ج۲ص۶۲۶
[3] کافی ج ۶،ص۴۷
[4] کافبحار الانوار ج۴۳ ،ص۳۰۶
ی ج ۶ ،ص۴۷
[5] وسائل الشیعہ ج۵ ،ص۱۲۶

ہیں: منقول ہے کہ "پیغمبر اکرم ﷺ ہر روز صبح اپنے بچوں اور ان کی اولاد کے سروں پر دست شفقت پھیرتے تھے اور حسین علیہ السلام کے ساتھ کھیلتے تھے[1]۔

یعلی ابن مرّہ کہتا ہے "رسول خدا ﷺ کی (ایک دن کہیں) دعوت تھی، ہم بھی آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے، ہم نے دیکھا کہ امام حسن علیہ السلام کوچہ میں کھیل رہے ہیں۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے بھی انھیں دیکھا، اور آپؐ لوگوں کے سامنے دوڑتے ہوئے امام حسن علیہ السلام کی طرف گئے اور ہاتھ بڑھا کر انھیں پکڑ نا چاہا۔ لیکن بچہ ادھراُدھر بھاگ رہا تھا اور اس طرح رسول خدا ﷺ کو ہنساتا تھا، یہاں تک کہ رسول خدا ﷺ نے بچے کو پکڑ لیا اور اپنے ایک ہاتھ کو امام حسن علیہ السلام کی ٹھوڑی پر اور دوسرے ہاتھ کوان کے سر پر رکھ کر اپنے چہرے کو ان کے چہرے سے ملاکر چومتے ہوئے فرمایا: حسن مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں، جو اسے دوست رکھے گا خداوند متعال اس کو دوست رکھے گا[2]۔ لیکن بہت سی روایات میں نقل ہوا ہے کہ یہ واقعہ حسین علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "ایک دن امام حسین علیہ السلام پیغمبر اکرم ﷺ کی آغوش میں تھے آنحضرتؐ ان کے ساتھ کھیل رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔ عائشہ نے کہا: اے رسول خدا! ﷺ آپؐ اس بچے کے ساتھ کتنا کھیلتے ہیں؟! رسول خدا ﷺ نے جواب میں فرمایا: افسوس ہے تم پر! میں کیوں اس سے پیار نہ کروں جبکہ وہ میرے دل کا میوہ اور میرا نور چشم ہے[3]۔ جبیر ابن عبداللہ کا کہنا ہے "رسول خدا ﷺ اپنے اصحاب کے بچوں سے کھیلتے تھے اور انھیں اپنے پاس بٹھاتے تھے[4]۔ انس ابن مالک کا کہنا ہے "پیغمبر اکرم ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ خوش اخلاق تھے۔ میرا ایک چھوٹا

---

[1] سنن النبی، ص۲ ۱۵، رحمت عالمیان، ص۶۵۸، بحار الانوار، ج۴۳، ص۲۸۵
[2] بحار الانوار ج۴۳، ص۳۰۶

[3] بحار الانوار، ج ۴۴، ص۲۶۰۔ کامل الزیارہ، ص۶۸۔ حیاۃ الحیوان ج ۱، ص۱۱۱

[4] شرف النبی خرگوشی، ص۱۰۲۔ نہایۃ المسؤول فی روایۃ الرسول، ج۱، ص۳۴۰

بھائی تھا،اس سے دودھ چھڑایا گیا تھا ،میں اس کو پال رہا تھا ،اس کی کنیت ابو عمیر تھی۔آنحضرتؐ جب بھی اسے دیکھتے تھے تو فرماتے تھے:تمہارا دودھ چھڑانے سے تمھیں کیسی مصیبت آگئی ہے؟آپؐ خود بھی اس کے ساتھ کھیلتے تھے[1]۔

ایک حدیث میں نقل ہوا ہے ''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،عباس کے بیٹوں،عبداللہ،عبیداللہ اور کثیر یا قثم کو اپنے پاس بلاتے تھے،وہ چھوٹے تھے اور کھیلتے تھے۔ان سے آنحضرتؐ فرماتے تھے:جو تم میں سے پہلے اور جلدی میرے پاس پہنچے گا اس کو میں انعام دوں گا ۔ بچے مقابلہ کی صورت میں آپ کی طرف دوڑتے تھے ۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں آغوش میں لے کر ان کا بوسہ لیتے تھے[2]!!اور کبھی ان کو اپنے پیچھے مرکب پر سوار کرتے تھے،ان میں سے بعض کے سر پر دست شفقت پھیرتے تھے[3]!بچوں کو سوار کرنا۔پیغمبر اسلام کا بچوں کے ساتھ حسن سلوک کا ایک اور نمونہ یہ تھا کہ آپؐ انھیں کبھی اپنی سواری پر اپنے پیچھے اور کبھی اپنے سامنے بٹھاتے تھے ۔نفسیاتی طور پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ طرز عمل بچوں کے لئے انتہائی دلچسپ تھا ۔کیونکہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس برتاؤ کو اپنے لئے ایک بڑا فخر سمجھتے تھے اور یہ ان کے لئے ایک ناقابل فراموش واقعہ ہوتا تھا ۔قابل غور بات یہ ہے کہ آنحضرتؐ کبھی اپنے بچوں کو اپنے کندھوں پر اور کبھی اپنی پشت پر سوار کرتے تھے اور دوسروں کے بچوں کو اپنے سواری پر بٹھاتے تھے ۔ان میں سے کچھ نمونے ہم اس فصل میں ذکر کریں گے۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ پیغمبر اسلامؐ اپنے بچوں کو اپنی پشت مبارک پر سوار کرتے تھے اور ان کے ساتھ کھیلتے تھے ۔اس سلسلہ میں بہت سی روایتیں نقل کی گئی ہیں۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم صحابی،جابر کہتے ہیں '':میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا،اس وقت حسن و حسین علیہما السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر سوار تھے،آپؐ اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے چل رہے تھے اور فرمارہے تھے :تمھاری سواری کیا اچھی سواری ہے اور تم کیا اچھے سوار ہو[4]۔ابن مسعود کا کہنا ہے کہ ''پیغمبر اسلام

[1] صحیح بخاری ،ج۸ ،ص۳۷ و۵۵۔دلائل النبوۃ بیہقی ،ص۱۵۴ تر جمہ دامغانی،نقل ازصحیح مسلم۔
[2] السیرۃالحلبیۃ ج۳،ص۳۴۰ ۔اسدالغابہ ج۵،ص۲۱۰۔مجمع الزوائد الرسول ج۹ ص۲۸۵
[3] مجمع الزوائد ج۹ ،ص۲۸۵۔مسند احمد ج۱،ص۳۳۷
[4] احقاق الحق ج۱۰ ،ص۷۱۴ ۔بحار الانوار ج۴۳ ،ص۲۸۵ ۔سنن نسائی ج۲،ص۲۲۹۔مستدرک حاکم ج۳،ص۱۶۶۔مجمع الزوائد ،ج۹ ،ص۱۸۲

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حسن و حسین علیہما السلام کو اپنی پشت پر سوار کرکے لے جارہے تھے،جبکہ حسن علیہ السلام کو دائیں طرف اور حسین علیہ السلام کو بائیں طرف سوار کئے ہوئے تھے ۔آپ چلتے ہوئے فرماتے تھے:تمھاری سواری کیا اچھی سواری ہے اور تم بھی کتنے اچھے سوار ہو۔تمھارے والد تم دونوں سے بہتر ہیں[1]۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لوگوں کے بچوں کو اپنی سواری پر سوار کرنا

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا برتاؤ اپنے بچوں سے کرتے تھے ویسا ہی برتاؤ اپنے اصحاب کے بچوں سے بھی کرتے تھے اور انھیں اپنی سواری پر سوار کرتے تھے ۔اس سلسلہ میں ہم چند روایتیں ذکر کرتے ہیں: عبداللہ ابن جعفرا بن ابیطالب کہتے ہیں: ''ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے مرکب پر اپنے پیچھے سوار کیا اور میرے لئے ایک حدیث بیان فرمائی ،جسے میں کسی سے بیان نہیں کروں گا[2]۔مروی ہے کہ جب کبھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر سے لوٹتے ہوئے راستہ میں بچوں کو دیکھتے تو حکم فرماتے تھے کہ انھیں اٹھا لو ۔ان میں سے بعض بچوں کو اپنے مرکب پراپنے سامنے اور بعض کو اپنے پیچھے سوار کرتے تھے ۔کچھ مدت گزرنے کے بعد وہ بچے ایک دوسرے سے کہتے تھے:رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے سامنے سوار کیا لیکن تجھے پیچھے سوار کیا!!اور دوسرے کہتے تھے:رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ تجھے آپؐ کے مرکب پر آپ کے پیچھے سوار کریں[3]۔''فضیل بن یسار کہتا ہے :میں نے امام باقر علیہ السلام کویہ فرماتے ہوئے سنا '':پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کام کے لئے اپنے گھر سے باہر نکلے ۔فضیل بن عباس کو دیکھا توفرمایا :اس بچے کو میرے مرکب پر میرے پیچھے سوار کرو ۔اس بچے کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے مرکب پر سوار کیا گیا اور آپ اس بچے کا خیال رکھے ہوئے تھے[4]۔عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں '':میں عباس کے

---

[1] بحار الانوار ج۴۳ ،ص۲۸۶

[2] مسند احمد حنبل ج۱،ص۳۳۵،صحیح مسلم ج۱۵ ،ص۱۹۷

[3] المحجۃ البیضا ج۳،ص۳۶۶

[4] بحار الانوار ،ج۷۷،ص۱۳۵۔امالی صدوق ج۲ ،ص۲۸۷

بیٹوں،قثم اور عبیداللہ کے ہمراہ تھا اور ہم کھیل رہے تھے ۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے اور فرمایا :اس بچے (عبداللہ ابن جعفر)کو اٹھا کر سوار کر دو ۔اصحاب نے اسے اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے بٹھا دیا ۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا :اس بچے (قثم)کو اٹھا لو۔اسے بھی اٹھا کرآنحضرتؐ کے پیچھے سوار کیا گیا[1]۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے بچوں کو اپنے کندھوں پر سوار کرنے کی چند صورتیں نقل کی گئی ہیں کہ ہم ان کو ذیل میں بیان کرتے ہیں:۱۔دونوں (حسن وحسین علیہما السلام)کو اپنے کندھوں پر اس طرح سوار کرتے تھے کہ دونوں ایک دوسرے کے روبرو ہوں۔

۲۔دونوں کو اپنے کندھوں پر ایک دوسرے کی طرف پشت کرکے سوار کرتے تھے۔

۳۔ایک کو اپنے دائیں کندھے پر آگے کی طرف رخ کرکے اور دوسرے کو اپنے بائیں کندھے پر پیچھے کی طرف رخ کر کے سوار فرماتے تھے[2]۔

پانچویں فصل

[1] مجمع الزوائدج۹ ،ص۲۷۵،مسند احمدج ۱،ص۳۳۷
[2] مناقب ابن شہرآشوب ج۳،ص۳۸۷۔بحار الانورج ۴۳،ص۲۸۵

بچوں کو کھلانا اور پلانا

پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے منقول ہے: آنحضرت چھوٹوں اور بڑوں کو سلام کرتے تھے۔ بچوں کی تربیت اور پرورش کے سلسلہ میں ایک اہم اور سنگین ذمہ داری یہ ہے کہ ان کے درمیان عدل وانصاف برقرار رکھا جائے۔ اس لئے جن والدین کے یہاں کئی بچے ہیں، انھیں اپنے برتاؤ اور سلوک میں تمام بچوں کے ساتھ عدل وانصاف اور مساوات کے ساتھ پیش آنا چاہئے اور اپنے عمل میں تمام بچوں کو یکساں سمجھنا چاہئے تاکہ ان میں سے بعض احساس کمتری کا شکار نہ ہوں۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنے بچوں کے ساتھ ایسا ہی کیا ہے۔ اسی سلسلہ میں اپنے بچوں کو پانی دیتے وقت عدالت کی رعایت فرمانا بھی اس سلسلہ میں نقل کیا گیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا '': رسول خدا ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے، میں اور حسن و حسین علیھما السلام ایک لحاف میں سوئے ہوئے تھے۔ حسن نے پانی مانگا تو رسول خدا ﷺ گئے اور ایک برتن میں پانی لے کر آئے۔ اسی اثناء میں حسین علیہ السلام بھی بیدار ہوئے اور پانی مانگا۔ لیکن رسول خدا ﷺ نے پہلے انھیں پانی نہیں دیا۔

فاطمہ * نے فرمایا '': اے رسول خدا! ﷺ کیا آپ حسن کو حسین سے زیادہ دوست رکھتے ہیں؟ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: حسن نے حسین سے پہلے پانی مانگا تھا۔ قیامت کے دن میں، تم، حسن وحسین اور یہ جو سوئے ہوئے ہیں (علی علیہ السلام) ایک ہی جگہ ہوں[1]۔ رسول خدا ﷺ اپنے بچوں کو خود کھانا کھلاتے تھے۔ آپ کا یہ سلوک اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اپنے بچوں کے مزاج سے خوب واقف تھے۔ سلمان فارسی کہتے ہیں '': میں رسول خدا ﷺ کے گھر میں داخل ہوا۔ حسن وحسین علیھما السلام آپ کے پاس کھانا کھا رہے تھے۔ آنحضرت کبھی ایک لقمہ امام حسن علیہ السلام کے منہ میں اور کبھی امام حسین علیہ السلام کے منہ میں ڈالتے تھے۔ جب بچے کھانا کھا چکے تو آنحضرت نے امام حسن علیہ السلام کو اپنے کندھے پر اور امام حسین علیہ السلام کو زانو پر بٹھا لیا۔ اس کے

[1] مجمع الزوائد ج۹، ص۱۶۹

بعد میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا :اے سلمان! کیا تم انھیں دوست رکھتے ہو؟ میں نے جواب میں عرض کی :اے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کیسے ممکن ہے کہ میں انھیں دوست نہ رکھوں جبکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے نزدیک ان کی کیا قدر و منزلت ہے[1]؟!

بچوں کو سلام کرنا

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نیک کردار میں سے ایک بچوں کو سلام کرنا بھی ہے ۔کیونکہ بچے باوجودیکہ عمر کے لحاظ سے چھوٹے ہوتے ہیں اور کھیل کود کو پسند کرتے ہیں اور ذمہ داریوں سے دور بھاگتے ہیں لیکن اچھی طرح سمجھتے ہیں اور محبت کو محوس کرتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ سلوک بعض تنگ نظر اور جاہل افراد کے نظریہ کے بر عکس ہے،جو بچوں کے احترام کے قائل نہیں ہیں اور اُنہیں حقیر سمجھتے ہیں۔لیکن مکتب اسلام میں اس کی سخت تاکید کی گئی ہے کہ بچے بھی اسی سلوک اور احترام کے حقدار ہیں جس کے بڑے ہیں۔بیشک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بچوں کا احترام کرتے تھے اور انھیں معاشرے کے ماحول میں داخل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بچوں کو سلام کرنے کے سلسلہ میں بے شمار روایتیں نقل ہوئی ہیں،ان میں سے چند ایک کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں:انس ابن مالک کہتے ہیں'' :حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کہیں تشریف لے جارہے تھے۔راستہ میں چند چھوٹے بچوں سے ملاقات ہوئی،آپ نے انھیں سلام کیا اور کھانا کھلایا[2]۔''ایک دوسری حدیث میں کہتے ہیں'' :پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے،ہم بچے تھے،آپ نے ہم کو سلام کیا[3]۔''امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا'' :پانچ چیزیں ایسی ہیں،جنہیں میں مرتے دم تک ترک نہیں کروں گا،ان میں سے ایک بچوں کو سلام کرنا ہے[4]۔ ایک اور حدیث میں نقل ہوا ہے'' :پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چھوٹے اور بڑوں کو سلام کرتے تھے[5]۔اور سلام کرنے میں دوسروں حتیٰ

---

[1] بحارالانوار ج۳۶ ،ص۳۰۴،ح۱۴۳۔کفایۃ الاثرص۷
[2] مکارم الاخلاق،ص۱۴و ۳۱ بحارالانوار ج۶،ص۲۲۹
[3] سنن ابن ماجہ ج۲،ص۲۲۰
[4] مستدرک الوسائل ج۲،ص۹۶۔امالی صدوق،ص۴۴۔اعیون اخبار الرضا علیہ السلام ص۳۳۵۔الخصال ج ۱،ص۱۳۰۔علل الشرائع ص۵۴۔بحار الانوار ج۱۶ ،ص۶۶۳
[5] مستدرک الوسائل ج۲،ص۶۹

بچوں پر بھی سبقت حاصل کرتے تھے[1]جس کو بھی دیکھتے ، پہلے آپؐ سلام کرتے تھے اور ہاتھ ملاتے تھے[2]۔آپؐ نے دوسری حدیث میں فرمایا'': میں بچوں کو سلام کرنے کے سلسلہ میں حساس ہوں تاکہ یہ طریقہ میرے بعد مسلمانوں میں سنّت کی صورت میں باقی رہے اور وہ اس پر عمل کریں[3]۔''کیا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کی سرزنش کرتے تھے؟کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کی تربیت کے لئے ان کی سرزنش اور پٹائی کرتے تھے یا نہیں؟آنحضرت کی سیرت کے سلسلہ میں گہری تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ بچوں کی تربیت کے لئے کبھی اُنہیں مارتے نہیں تھے۔اگر چہ ڈانٹنا پھٹکارنا ضروری ہے،کیونکہ بہت کم ایسے بچے پائے جاتے ہیں جن کی تربیت کے دوران ان کے ساتھ کسی بھی قسم کی تنبیہ نہ کی گئی ہو ۔

لیکن ہماری بحث کا موضوع یہ ہے کہ کیا بچے کو مارا پیٹا جاسکتا ہے یا نہیں؟اسلامی روایتوں اور دینی پیشواؤں کی سیرت کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کی پٹائی نہیں کرنا چاہئے۔دور حاضر میں،علم سکھانے اورتربیت کرنے کے لئے بھی بچوں کی پٹائی کرنا اور ادب سکھانے کے لئے ان کو جسمانی اذیت یا سزا دینا مناسب نہیں سمجھا جاتا ہے اور تقریباً دنیا کے تمام ممالک میں بچوں کی پٹائی کرنااور انھیں جسمانی اذیت پہنچانا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

لیکن کچھ جاہل اور بے خبرافراداسلام کے پیشواؤں کی سیرت سے غفلت کی وجہ سے بچوں کی پٹائی سے روکنے والی روایتوں پر توجہ نہیں کرتے ۔حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے ایک شخص سے اپنے بیٹے کے خلاف شکایت کرنے پرواضح طور پر فرمایا'':اپنے بیٹے کی پٹائی نہ کرنااور اسے ادب سکھانے کے لئے ناراضگی اور غصہ کا اظہار کرنا،لیکن خیال رکھنا کہ غصہ زیادہ دیر کے لئے نہ ہو اور حتی الامکان اس کے ساتھ نرمی سے پیش آنا[4]۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف بچوں کو جسمانی اذیت نہیں دیتے تھے،بلکہ اگر کوئی دوسرا بھی ایسا کرتا تھا تو آپؐ اس کی سخت مخالفت کرتے تھے اورشدید اعتراض کرتے تھے۔تاریخ میں اس سلسلہ میں

[1] رحمت عالمیان،ص۲۱۵،ح۲
[2] عفایۃالمسؤول فی روایۃ الرسول ج۱ ،ص۳۴۱ ۔مکارم اخلاق ج۱ص۲۳۔
[3] وسائل الشیعہ ج۳،ص۲۰۹
[4] بحار الانوار ج ۱۰۴ ص ۹۹ ،ح۷۴۔عدۃالداعی ص ۶۱

چند نمونے درج ہیں:ابو مسعود انصاری کہتے ہیں''؛میرا ایک غلام تھا،میں اس کی پٹائی کر رہا تھا کہ میں نے پیچھے سے ایک آواز سنی،کوئی کہہ رہا ہے:ابو سعید!خدا وند متعال نے تجھے اس پر قدرت بخشی ہے(اسے تیرا غلام بنایا ہے)میں نے مڑ کر جب دیکھا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی،میں نے اسے خدا کی راہ میںآزاد کیا۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اگر تم یہ کام نہ کرتے تو تجھے آگ کے شعلے اپنی لپیٹ میں لیتے[1]۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا'':رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبیلہء بنی فہد کے ایک شخص سے سامنا ہوا،جو اپنے غلام کی پٹائی کررہا تھااور وہ غلام فریاد کرتے ہوئے خدا کی پناہ اور مدد چاہتا تھا۔لیکن وہ شخص اس کی فریاد پر کوئی توجہ نہیں کررہا تھا۔جیسے ہی اس غلام کی نظر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی تو کہا:ان سے مدد مانگ لونگا،مالک نے پٹائی کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے آقا سے کہا'': خدا سے ڈرواور اسے نہ مارو اور اسے خدا کے لئے بخش دو،لیکن اس شخص نے اسے نہیں بخشا۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بخش دوجبکہ خدا وند متعال کے لئے بخشنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بخشنے سے بہتر ہے۔''

اس شخص نے کہا:میں نے اس غلام کوخدا کی راہ میں آزاد کیا۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اس خدا کی قسم جس نے مجھے رسالت پر مبعوث کیا،اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تجھے اپنے لپیٹ میں لے لیتی[2]۔''تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلاف ورزی کرنے والے بچوں کو بھی جسمانی اذیت کے ذریعہ سزا نہیں دیتے تھے اور ان کے ساتھ بھی محبت اور حسن اخلاق سے پیش آتے تھے۔تاریخ میں ہے کہ جب جنگ احد کے لئے لشکر اسلام آمادہ ہواتوان کے درمیان چند بچے بھی دکھائی دیئے جو شوق وولولہ کے ساتھ رضاکارانہ طور پرمیدان جنگ میں جانے کے لئے آمادہ تھے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر رحم آیا اور انھیں لوٹا دیا۔ان کے درمیان رافع ابن خدیج نام کا ایک بچہ بھی تھا۔آنحضرت کی خدمت میں عرض کیاگیا کہ وہ ایک زبردست تیر انداز ہے،اس لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے لشکر اسلام کے ساتھ جانے کی اجازت دیدی۔ایک اور بچے نے

---

[1] بحار الانوار ج۷۴ ،ص۱۴۲،ح۱۲
[2] بحار الانوار،ج ۷۴ ،ص۱۴۳،ح۱۵

روتے ہوئے دعویٰ کیا کہ وہ رافع سے بھی زیادہ قوی ہے اس لئے پیغمبر اکرم ﷺ نے ان سے کہا :آپس میں کشتی لڑو ، کشتی میں رافع نے شکست کھائی اس کے بعد پیغمبر اکرم ﷺ نے انھیں میدان جنگ میں جانے کی اجازت دیدی[1]۔ لھذا، جسمانی سزا کو تربیت کے لئے موثر عامل قرار دینے کے طور پر اختیار نہیں کرنا چاہئے۔چنانچہ اگر یہ طریقہ لمبی مدت تک جاری رکھا جائے تو بچے کی حیثیت پر کاری ضرب لگنے کا سبب بنتا ہے اور سرزنش کا اثر بھی باقی نہیں رہتا اور بچہ اسے ایک معمولی چیز خیال کرتا ہے، اس سے پرہیز نہیں کرتا اور شرم وحیا کا احساس بھی ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں "؛ عقلمند انسان ادب و تربیت سے نصیحت قبول کرتا ہے۔ صرف مویشی اور حیوانات ہیں جو تازیانوں سے تربیت پاتے ہیں[2]۔" اس لئے جسمانی سرزنش سے پرہیز کرنا اس قدر اہم ہے، کہ حکم ہوا ہے کہ نابالغ اگر جرم کے مرتکب بھی ہو جائیں ان پر حد جاری کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ان کی اصلاح کے لئے سزا دی جائے[3]۔ اس لئے ہم پیغمبر اسلام ﷺ اور دین کے دوسرے پیشواؤں کی تاریخ میں کہیں یہ نہیں پاتے ہیں کہ انھیں اپنے بچوں کی تربیت کے مقدس کام میں پٹائی کرنے کی ضرورت پڑی ہو۔ وہ اپنے بچوں کے ساتھ ایک مہربان اور ہمدرد دوست، ایک محبوب پیشوا، اور ایک غمسار رہنما کی حیثیت سے برتاؤ کرتے تھے۔ اور ان کے بچپن کے دوران ان کے ساتھ کھیلتے تھے اور بڑے ہو کر ان کے دوست اور ہمدم رہتے تھے۔ ان کا یہ طریقہ ان کے پیروؤں کے لئے مختلف زمانوں اور جگھوں پر راہنما ہو سکتا ہے کیونکہ اسلام ودین کے دستورات کسی خاص زمان ومکان یا فرقہ وگروہ سے مخصوص نہیں ہوتے، بلکہ ہر وقت اور ہر جگہ اور پوری بشریت کے لئے ہوتے ہیں۔

---

[1] اسلام وتر بیت کود کان ج۱،ص۲۲۴
[2] شرح غررالحکم ج۱ ،ص۱۰،ح۸۱
[3] مستدرک الوسائل ج۳،ص۲۲۳

دوسرا حصہ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوانوں کے ساتھ سلوک۔ جوانی خدا وند متعال کی ایک گرانقدر نعمت اورانسانی زندگی کی سعادت کا بڑا سرمایہ ہے۔

پہلی فصل

جوانی کی طاقت

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ نوجوانوں اور جوانوں کے ساتھ نیکی کرو۔ پیغمبر اکرمؐ پہلے حصہ میں مختصر طور پر آپ ہپیغمبر اسلام ﷺ کے بچوں کے ساتھ حسن سلوک سے آگاہ ہوئے۔اب ہم دوسرے حصہ میں پیغمبر اسلام ﷺ کے جوانوں کے ساتھ حسن سلوک کو پیش کرتے ہیں،تاکہ معاشرے اور مسلمانوں کی رہنمائی ہو سکے،کیونکہ ایک ملک کا سب سے بڑا سرمایہ اس ملک کے انسان ہوتے ہیں اور ہر ملک کی سب سے اہم انسانی طاقت اس ملک کے جوان ہی ہوتے ہیں ۔کیونکہ یہ جوانی کی طاقت ہی ہے جو زندگی کی مشکلات پر قابو پاسکتی ہے اور دشوار وناہموار راستوں کو طے کر سکتی ہے ۔

اگر کھیتیاں سر سبز اور لہلہاتی ہیں اور بڑی صنعتوں کی مشینیں چل رہی ہیں،اگر زمین کے اندر موجود کانیں زمین کی گہرائیوں سے نکال کر باہر لائی جاتی ہیں،اگر فلک بوس عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں،اگر شہر آباد کئے جاتے ہیں اور ملک کی اقتصادی بنیادوں کو مستحکم اور بارونق بنا یا جاتا ہے،اگر ملک کی سرحدوں کو دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور ملک میں امن و امان بر قرار کیا جاتا ہے،تو یہ سب جوان نسل کی گرانقدر کوششوں کا نتیجہ ہے،کیونکہ جوانوں کی یہ انتھک طاقت تمام ملتوں اور قوموں کی امید کا سبب ہوتی ہے۔اسی لئے جوانی کے دن پہنچتے ہی بچپن کا دور ختم ہو جاتا ہے اور انسان شخصی ذمہ داریوں کی دنیا میں قدم رکھتا ہے اور اجتماعی و عمومی فرائض انجام دینے کا بیڑا اٹھا لیتا ہے اس لئے آج کی دنیا میں جوانوں کو خاص اہمیت دی جاتی ہے، جس کی وجہ سے نوجوان،سیاسی، اجتماعی ،اقتصادی،صنعتی واخلاقی جیسے تمام مسائل میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔دین مقدس اسلام نے بھی چودہ سو سال قبل اپنے جامع،روح افزا اور سعادت بخش منصوبوں کے پیش نظر جوان نسل پر ایک ایسی خاص توجہ کی ہے کہ آج تک کوئی معاشرہ،کوئی

تہذیب،کوئی دین اور کوئی مکتب اس کی مثال پیش نہیں کر سکا ۔اسلام نے جوانوں کو مادی، معنوی، نفسیاتی، تربیتی، اخلاقی،اجتماعی،دنیوی و اخروی،غرض کہ ہر لحاظ سے زیر نظر رکھا ہے،جبکہ دوسرے مذاہب اور تہذیبوں میں جوانوں کے صرف بعض مسائل پر توجہ دی جا تی ہے۔

جوانی کی قدر وقیمت

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ آج کی دنیا میں جوانوں کا موضوع اور ان کی قدر وقیمت تمام ملتوں اور اقوام کی زبان پر ہے اور ہر جگہ نسل جوان کا چرچا ہے ۔اس لئے محققین،مفکرین اور مصنفین نے ان کے بارے میں گونا گون علمی بحثیں کی ہیں۔ان میں سے بعض افراد نے تند روی سے کام لے کرجوانوں کو اپنے شائستہ مقام ومنزلت سے بلند تر کر دیا ہے اور کچھ لوگوں نے تفریط سے دو چار ہوکرنا پختگی اور علمی وعملی نا تجربہ کاری کے سبب جوانوں کو ان کے اصلی مقام سے گرا دیا ہے ۔ایک تیسرا گروہ بھی ہے جس نے اس سلسلہ میں درمیانی راستہ اختیار کیا ہے۔دین کے پیشواؤں نے جوانی کو خداوند متعال کی ایک گرانقدر نعمت اور انسانی زندگی کی سعادت کا عظیم سرمایہ جانا ہے اور اس موضوع کے بارے میں مختلف عبارتوں میں مسلمانوں کویاددہانی کرائی ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ نوجوانوں اور جوانوں کے ساتھ نیکی کرو،کیونکہ ان کا دل نرم اور فضیلت کوقبول کرنے والا ہوتا ہے۔خداوند متعال نے مجھے رسالت پر مبعوث کیا کہ لوگوں کو رحمت الٰہی کی بشارت دوں اور انھیں خدا کے عذاب سے ڈراؤں۔جوانوں نے میری بات کو قبول کر کے میری بیعت کی لیکن بوڑھوں نے میری دعوت کو قبول نہ کرتے ہوئے میری مخالفت کی[1] ۔''علی علیہ السلام نے فرمایا''دو چیزیں ایسی ہیں جن کی قدر وقیمت کوئی نہیں جانتا،مگر وہ شخص جس نے ان کو کھودیا :ان میں سے ایک جوانی ہے اور دوسری تندرستی[2] ۔''جب محمد ابن عبداللہ ابن حسن نے قیام کیا اور لوگوں سے اپنے

[1] ''باتر بیت مکتبی آشنا شویم''،ص۳۲۰

[2] شرح غرر الحکم ج۴،ص۱۸۳

لئے بیعت لے لی تو امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آکر ان سے بیعت لینے کی درخواست کی لیکن امام نے قبول نہ کرتے ہوئے انھیں چند نصیحتیں کیں،ان میں سے ایک جوانوں کے بارے میں نصیحت بھی تھی ۔امام علیہ السلام نے یہ فرمایا ''؛ تمھیں جوانوں کو اپنے ساتھ رکھنا چاہئے اور بوڑھوں سے دوری اختیار کرنی چاہئے[1]۔''امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ نصیحت بذات خود جوانوں کی قدر وقیمت اور اہمیت واضح کرتی ہے اور خداوند متعال کی اس بڑی نعمت کی طرف متوجہ کرتی ہے۔اسی لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوذر سے فرماتے ہیں '':پانچ چیزوں کو کھو دینے سے پہلے ان کی قدر کرو،وران میں سے ایک جوانی بھی ہے کہ بڑھاپے سے پہلے اس کی قدر کرو[2]۔

جوانوں کو اہمیت دینا

اسلام کے سچے پیشواؤں نے قدیم زمانے سے، اپنے گرانقدر بیانات سے جوانوں کی پاک روح اور ان کی اخلاقی وانسانی اصولوں کی پابندی کی نصیحت اور تاکید کی ہے اور جوان نسل کو تربیت کرنے کے سلسلہ میں مربیوں کے اس گرانقدر سرمایہ سے استفادہ کرنے کی تاکید کی ہے۔امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی ''ابی جعفر احول'' نے ایک مدت تک شیعہ مذہب کی تبلیغ اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی فکر کی تعلیم وتربیت کی۔ایک دن وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوے۔

امام علیہ السلام نے ان سے پوچھا :تم نے اہل بیت علیہم السلام کی روش کو قبول کرنے اور شیعہ عقائد کو قبول کرنے کے سلسلہ میں بصرہ کے لوگوں کو کیسا پایا؟اس نے عرض کی :ان میں سے بہت کم لوگوں نے اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کو قبول کیا ۔امام نے فرمایا :تم جوان نسل میں تبلیغ کرنا اور اپنی صلاحیتوں کو ان کی ہدایت میں صرف کرنا،کیونکہ جوان جلدی حق کو قبول کرتے ہیں اور ہر خیر ونیکی کی طرف فوراًمائل ہوتے ہیں[3]۔اسماعیل بن فضل ہاشمی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ حضرت

---

[1] کافی ج ۲،ص۱۶۳
[2] بحارالانوار ج۷۷،ص۷۵،ج۸۱،ص۱۸۰۔الحضال ج۱،ص۱۱۳
[3] روضہ کافی،ص۹۳

یعقوب علیہ السلام نے (حضرت یوسف کو کنویں میں ڈالنے کے بعد یوسف کے بھائیوں نے اپنے باپ کے پاس آکر عفو و بخشش کی درخواست کی) اپنے بیٹوں کی عفو و بخشش کی درخواست کو منظور کرنے میں کیوں تاخیر کی، جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو فورا بخش دیا اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کی؟امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب میں فرمایا! ''اس لئے کہ جوان کا دل بوڑھے کی نسبت حق کو جلدی قبول کرتا ہے[1]۔مذکورہ دو روایتوں سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ جوان نسل فضیلتوں کو پسند کرتی ہے اور خوبیوں کو جلدی قبول کرتی ہے اور فطری طور پر بہادری، شجاعت، سچائی، اچھائی وعدہ وفائی، امانت داری، خود اعتمادی، لوگوں کی خدمت خلق، جان نثاری اور اس طرح کی دوسری صفتوں کی طرف رجحان اور دلچسپی رکھتی ہے اور پست اور برُے اخلاق سے متنفر ہوتی ہے۔

چند نکات

دین کے پیشواؤں کی نظر میں، جوانی ایک گراں بہا اور گرانقدر شی ہے۔جو لوگ اپنے لئے سعادت اور خوشبختی کے خواہشمند ہیں اور اس گرانقدر طاقت سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں، انھیں درج ذیل چند نکات کی طرف خاص توجہ رکھنی چاہئے!

۱۔جوانی کا دور، انسانی زندگی کا ایک بہترین، گرانقدر اور مفید دور ہے۔

۲۔جوانی کی طاقت سے استفادہ کرنے کے سلسلہ میں سعی و کوشش کرنا، کامیابی کی بنیادی شرط ہے۔

۳۔ہر انسان کی خوشبختی اور بد بختی کی داغ بیل اس کی جوانی کے دوران پڑتی ہے، کیونکہ جو انسان ان فرصتوں سے ضروری استفادہ کرے، وہ کامیاب ہو سکتا ہے اور صلاحیتوں سے استفادہ کرکے اپنی پوری زندگی کے لئے خوشبختی حاصل کر سکتا ہے[2]۔

قیامت کے دن جوانی کے بارے میں سوال کیا جائے گا

---

[1] سفینہ البحار، مادہ قلب ج۲، ص۲۴۲
[2] ''گفتار فلسفی، جوان'' ج۱ ص۷۱

رسول خدا ﷺ نے فر مایا ''.قیامت کے دن کوئی بندہ مندرجہ ذیل سوالات کا جواب دئے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکے گا :۱۔اس نے اپنی عمر کس کام میں صرف کی ؟

۲۔اس نے اپنی جوانی کس طرح اور کہاں گزاری ؟پیغمبر اسلام ﷺ کے اس ارشاد سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے جوانی کی طاقتوں کو کس قدر اہمیت دی اور توجہ دی ہے،کیونکہ اس گرانقدر سرمایہ کو ضائع کرنے کے سلسلہ میں قیامت کے دن خاص طور پر سوال کیا جائے گا ۔جی ہاں،اخلاقی اقدار اور انسانی صفات کے مالک جوانوں کی قدر و منزلت،پھولوں کی ایک شاخ کی مانند ہے جو عطر و خوشبو سے لبریز ہے،تازگی کے علاوہ ،اس کی فطری خوبصورتی اور حسن و جمال بھی معطر ہے ۔لیکن اگر جوانی الٰہی اقدار کی مالک نہ ہو،تو اس کی مثال کانٹوں کی سی ہے جن سے ہرگز کوئی محبت نہیں کرتا ۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا '':با ایمان شخص کے لئے ضروری ہے کہ اپنی طاقت سے اپنے لئے استفادہ کرے اور دنیا سے اپنی آخرت کے لئے، جوانی سے بڑھاپے سے پلے اور زندگی سے موت سے پہلے استفادہ کرے[1]۔آنحضرت ﷺ نے مزید فرمایا '':فرشتہ الٰہی،ہر شب بیس سالہ جوانوں سے مخاطب ہوکر فریاد کرتا ہے کہ سعی وکوشش کرواور کمال و سعادت تک پہنچنے کے لئے کوشش کرو[2]۔اس لئے،جوانی کا دور،انفرادی مؤلیت ،بیداری،ہوش میں آنے اور عمل وکوشش کا دور ہے اور جو لوگ اس الٰہی طاقت سے استفادہ نہیں کریں گے،انھیں سرزنش کی جائے گی۔خدا وند متعال فرماتا ہے: (أولم نعمّرکم مایتذکّر فیہ من تذکّر[3]) ''۔تو یا ہم نے تمھیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جس میں عبرت حاصل کرنے والے عبرت حاصل کرتے؟''امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا '':یہ آیت ان غافل جوانوں کی سرزنش و ملامت کے لئے ہے جو اٹھارہ سال کے ہوگئے ہیں اور اپنی جوانی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا[4]۔

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۴ ص۳۰
[2] مستدرک الوسائل ج۲،ص۳۵۳
[3] فاطر،۳۷
[4] مذکورہ آیت کے ذیل ہیں،تفسیر البرہان

دوسری فصل

نوجوانوں میں مذہب کی طرف رجحان کا زمانہ

''اگر نوجوان عقیدہ کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے،تو قرآن مجید اس کے گوشت وخون میں مل جائے گااور اس کے بدن کے تمام اعضاء پر اثرانداز ہو گا۔''امام جعفر صادق علیہ السلامذہب اور دین سے لگاؤانسان کے فطری رجحانات میں سے ایک ہے،جو بالغ ہونے کے ساتھ جوانوں میں دوسرے فطری میلانات کے مانند پیدا ہوتا ہے اور نتیجہ میں انھیں اس سلسلہ میں سعی وکوشش کرنے پر ابھارتا ہے۔فطری طور پر جوان مذہبی مسائل کو سمجھنے اور انھیں درک کرنے کی کافی دلچسپی رکھتے ہیں ۔اسی لئے وہ دین سے مربوط بیانات کو انتہائی دلچسپی اور رغبت سے سنتے ہیں،یہ بہت سی عظیم شخصیتوں اور تربیت کے ماہرین کا نظریہ ہے۔جان بی کایزل کہتا ہے'':اب تک کئے جانے والے تجربات کے مطابق،کلی طور پر مذہبی عقیدہ بارہ سال کی عمر میں شروع ہوتا ہے[1]۔''

اکثرماہر دانشور اس بات کے قائل ہیں کہ تقریباً بارہ سال کی عمر میں،یعنی فطری طور پر نوجوانی کے آغاز میں،انسان کے اندر ایک اور رجحان پیدا ہوتا ہے اور یہ وہی مذہب سے اس کا عشق ومحبت ہے ۔یہ میلان انسان کے دوسرے فطری میلانات اور دلچسپیوں کے ساتھ ترقی کرتا ہے اور مسلسل بڑھتا جا رہا ہے یہاں تک کہ سولہ سال کی عمر میں اپنے کمال تک پہنچتا ہے،اس کے نتیجہ میں نوجوان دوسروں کی برائیوں اور بد اخلاقیوں سے رنجیدہ ہوتے ہیں اور دوسروں کی گندی باتوں اور انحرافات پر افسوس کرتے ہیں اور پوری دنیا میں اخلاقی فضائل کے پھیلنے کی مسلسل آرزو کرتے ہیں اور سعی وکوشش کرتے ہیں،کہ دنیا کے تمام لوگ صحیح اور حقیقی اقدار کی راہ میں قدم بڑھائیں۔

[1]''شاد کامی''،ص۴۱

نوجوانوں میں دینی تعلیمات کے اثرات

دینی تعلیم اور ایمانی واخلاقی صفات کی تربیت نوجوانوں میں دو بڑے اثرات پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں:ا۔جوانوں کے دینی اور مذہبی جذبات،جو ان کے فطری خواہشات میں سے ایک ہے،وہ اسی کے ذریعہ پورے ہوتے ہیں ۔

۲۔مذہب و عقیدہ کی طاقت،نوجوانوں کے دوسرے فطری اور جبلّتی رجحانات قابو رکھتی ہے اور ان کو انتہا پسندی اور سرکشی سے روکتی ہے ۔جس کے نتیجہ میں وہ ناکامی پستی اور بد بختی سے محفوظ رہے ہیں ۔قابل ذکربات یہ ہے کہ اسلام نے نسل جوان کی تربیت کے ایک بنیادی اصول،یعنی تربیتی ،ایمانی اور منصوبوں کو جوانوں کی فطری خواہشات اورتقاضوں کے مطابق پیش کیا ہے ۔اس لئے،جب نوجوانوں کے وجودمیں مذہبی رجحانات پیدا ہوتے ہیں تو ان میں احکام اور دینی مسائل سیکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے ۔

یہاں پر مذہبی قائدین فرصت سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کے سامنے دین کا تعمیری منصوبہ پیش کرتے ہیں اور نوجوانوں کو قرآن مجید،مذہبی احکام،بندگی کے طریقے، برائیوں سے روکنے اور نیک کام انجام دینے کی تعلیم وتربیت دے کر انھیں ذمہ دار بناتے ہیں۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ''؛اگر قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا ایک با ایمان جوان ہو، تو قرآن مجید اس کے گوشت و خون میں مل کر اس کے بدن کے تمام اعضاء پر اثر ڈالتا ہے[۱]''

امام علیہ السلام نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا '':لڑکا سات سال تک کھیلتا ہے،سات سال تک لکھنا سیکھتا ہے اور سات سال میں دین و مذہب سے مربوط حلال و حرام سیکھتا ہے[۲]۔امام باقر علیہ السلام نے فرمایا '' ؛اگر ہم کسی ایسے شیعہ جوان کو دیکھیں گے جو مذہبی مسائل اور احکام کو نہیں سیکھتا ہے اور اس فریضہ کی خلاف ورزی کرتا ہے، تو ہم اسے سزادیں گے[۳]''اس لئے جو نوجوان گرانقدراخلاقی و انسانی صفات کی تربیت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور نمایاں معنوی شخصیت کے مالک بننا چاہتے ہیں، عام اور

---

[۱] وسائل الشیعہ ، ج ۲،ص ۱۲۰
[۲] کافی ، ج ۶، ص ۴۷
[۳] سفینہ البحار ، ج ۱، ص ۶۸۰، مادہ شبب

بحرانی حالات میں اپنے نفسانی خواہشات پر مسلط ہونا چاہتے ہیں اور اپنی عمر پاکدامنی اور سچائی میں گزار نا چاہتے ہیں، انھیں جوانی کی ابتداء سے ہی دین و مذہب اور دینی عقائد کو دل و جان سے سیکھنا چاہئے تاکہ عملی منصوبوں کو منظم کرکے دین کے احکام کی پیروی سے اپنے روحی عہد و پیمان کو خدا وند متعال سے مضبوط کریں اور ہر حال میں خدا کی یاد میں رہیں۔

نوجوانوں کے مذہبی جذبات کو اہمیت نہ دینے کا نتیجہ

نوجوانوں کے جذبات کو اہمیت نہ دینا اور بے اعتنایی برتنا قوانین فطرت اور خلقت کی سنت کے خلاف ہے۔ خلقت کے قوانین اور دستورات کی نا فرمانی کرنے والے سزا سے نہیں بچ سکتے ۔ کیونکہ یہ نافرمانیاں اور سرکشیاں تمام دنیا میں نوجوانوں کے لئے روزافزوں خود خواہی اور بے راہ روی کا سبب بنتی ہیں۔اس لئے حاصل شدہ اعداد وشمار کے مطابق مغربی ممالک اور مذہب و عقائد سے عاری ممالک میں نوجوانوں میں جرائم ہر روز بڑھتے جارہے ہیں ۔یہ جرائم ،چوری ،قانون شکنی ،علم ودانش کی طرف بے اعتنائی،منشیات کی لت ،بے حیائی اور مختلف قسم کی برائیاں،ایمان سے عاری تربیت اور خلقت کے قانون کی نافرمانی کا نتیجہ ہیں،کیونکہ گناہ اورگندی باتیں بے دینی کا نتیجہ ہیں، جس نے جوانوں اور ان کے سر پرستوں کی زندگی کو مکدر اورناگوار بنا دیا ہے اور معاشرے کو شدید طور پر معطل کرکے رکھدیا ہے۔

اس لئے،آج کی دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں نوجوانوں کا موضوع معاشرہ کی بڑی مشکلات کی فہرست میں قرار پایا ہے اور دانشوروں کی فکروں کو مشغول کر رکھا ہے ۔اس سلسلہ کے چندراہ حل کے نمونے ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں:جرائم کو روکنے اور مجرموں کو کنٹرول کرنے کے سلسلہ میں اقوام متحدہ کی تیسری کانفرنس ''استکھلم ''میں منعقد ہوئی۔اس میں ایک ہزار ججوں،ماہرین سماجیات اور پلیس کے اہل کاروں نے شرکت کی ۔ایک ہفتہ کے بعد یہ کانفرنس اختتام کو پہنچی۔اس کانفرنس میں دنیا کے تمام ممالک سے درخواست کی گئی ہے کہ جوانوں کے جرائم کے خلاف قدم اٹھائیں اور ان جرائم کو روکنے کے لئے ضروری اقدامات کریں کیونکہ

دنیا جوانوں کے ان جرائم سے تنگ آچکی ہے۔ کنیڈا کے جرائم کو روکنے کی نیشنل کونسل بچوں کے جرائم کا سد باب کرنے والی کمیٹی نے ۱۹۹۱ء کی اپنی سالانہ رپورٹ میں یہ لکھا ہے'': ۱۹۹۱ء میں کنیڈا میں بارہ لاکھ بچے غربت اور مفلسی کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ ان میں سے پانچ لاکھ بچوں کی عمر سات سال سے کم تھی اور زیادہ جرائم ان ہی بچوں میں پائے جاتے تھے۔ ان بچوں کے جرائم کا سبب والدین کی ان سے لاپروائی اور ٹیلی ویزن اور فلیموں کے تشدد آمیز پروگرام تھے۔'' نا چاقی پائی جانے والے گھرانوں میں پرورش پانے والے بچوں میں خودکشی کا احتمال دوسرے گھرانوں کی نسبت سات گناہ زیادہ ہوتا ہے۔ یہ بچے اپنی عمر کے بچوں سے چوبیس گناہ زیادہ جنسی خواہشات میں مبتلا ہوتے ہیں اور مشاہدہ کیا گیا ہے کہ امریکہ میں ۷۶ فصدی جرائم پیشہ بچے ایسے ہی خاندانوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ گیارہ سے بیس سال کی عمر کے بچوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے باپ میں سے ۶۳ فصدوہ قاتل تھے کہ جنہوں نے اپنے باپ کو ماں کی پٹائی کرتے ہوئے دیکھا تھا!!

کنیڈا کی خواتین کی منزلت سے مربوط قومی مشاورتی کونسل نے ۱۹۹۳ء کی اپنی سالانہ رپورٹ میں یہ لکھا ہے: کنیڈا میں ہر ۱۷ منٹ میں ایک عورت زنا بالجبر کا شکار ہوتی ہے اور ۲۵ فصدی کنیڈائی عورتیں اپنی زندگی میں زنائے بالجبر کی شکار ہوتی ہیں اور کنیڈا کے معاشرہ میں عورتوں کی عصمت دری کرنے والے ۵۰ فصدی مرد شادی شدہ ہوتے ہیں اور محترم شار ا۔ روزنامہ اطلاعات ۔ شمارہ ۶۵: ۱۱۷ ہوتے ہیں ۔ عصمت دری کے ۴۹ فصدی یہ واقعات دن دہاڑے ہوتے ہیں، عصمت دری کا شکار ہونے والی ۸۰ فصد عورتوں کی عمر ۱۴ سال سے ۲۴ سال تک ہے۔

۱۹۹۳ء میں کنیڈا کی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ۲۶ء۸ فصدی لڑکیوں کے ساتھ طالب علموں نے زنا بالجبر کیا ہے، اور ان میں سے ۱۳ء۶ فصدی لڑکیوں کے ساتھ نشہ کی حالت میں زنا بالجبر انجام پایا ہے ۔ ہر تین عورتوں میں سے ایک عورت کی اور ہر چھ لڑکوں میں سے ایک لڑکے کی ۱۸ سال کی عمر تک عصمت دری کی جاتی ہے اور اس جرم کے مرتکب ۹۸ فصدی جوان ہیں!! دس سال سے کم عمر لڑکیوں اور لڑکوں میں سے ۸۰ فصد بچے اپنے باپ کے توسط سے عصمت دری کے شکار ہوتے ہیں اور اسی

صورت میں باپ اور بیٹی کے درمیان جنسی روابط روز بروز بڑھتے جارہے ہیں۔قابل توجہ بات یہ ہے کہ زندانوں میں موجود ۸۰ فیصدی مجرم ،نوجوان ہیں کہ انھوں نے اپنے اعترافات میں کہا ہے کہ ''بچپن میں اپنے باپ یا دوسرے مردوں کے ذریعہ جنسی ہوس رانی کا شکار ہوئے ہیں۔''(روزنامہ اطلاعات شمار:۱۱۷۶۵)جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ ان ہزار ہا جرائم میں سے ایک نمونہ تھا جو اس سلسلہ میں روزناموں،کتابوں اور رسالوں میں لکھے جاتے ہیں ۔اس کی وجہ سے انسان بے شمار بیماریوں میں مبتلا ہورہا ہے اور آج یہ انسانی معاشرے کی ایک بنیادی مشکل ہے ۔ یہاں پر یہ کہنا چاہئے ،کہ تمام روحانی بیماریوں کا علاج صرف دین و مذہب اور دستورات اسلام ہے،لیکن اکثر لوگ اس علاج سے محروم ہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ اور نوجوان نسل

نوجوان،اپنے ضمیر اور اخلاق کے الہام سے اپنی فطرت وطینت کی بنیاد پر، حقیقت،تقدس،پاکیزگی اور سچائی کا عاشق و دلدادہ ہے۔اس لحاظ سے ایمان داری اور نیکی کی نسبت مخصوص حساسیت رکھتا ہے،اس سے لذت محسوس کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے اور ہمیشہ پاکیزگی اور الٰہی اقدار کی فکر میں رہتا ہے اور سعی وکوشش کرتا ہے کہ اس کا قول و فعل اچھائی اور حقیقی قدروں پر استوار ہو ۔ نوجوان ،نہ صرف دوسروں کی برائی پر اظہار افسوس کرتا ہے اور لوگوں کے برے اور ناپاک برتاؤ سے رنجیدہ ہوتا ہے ،بلکہ وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتا ہے کہ ایک ایسی توانائی اور اقتدار کو حاصل کرے،جس سے پلیدیوں کو دور اور آلودگیوں کا ازالہ کر سکے۔

جب رسول خدا ﷺ نے شہر مکہ میں اپنی دعوت کا کھلم کھلا اعلان کیا اور آپؐ کو حکم ملا کہ لوگوں کو آشکارا طور پر اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں توسب سے پہلے آپؐ کے گرویدہ ہونے والے نوجوان تھے۔قابل ذکر بات یہ ہے کہ نوجوانوں کا یہ گروہ مکہ کے معروف قبیلہ قریش کے اعلیٰ طبقہ اور دولت مند خاندانوں کے لڑکے لڑکیاں تھیں۔ بیشک،با نشاط جوانوں نے،جو پسماندہ عرب قوم کی افسوس ناک حالت سے تنگ آچکے تھے اور پتھروں اور لکڑیوں کے بتوں کی پرستش اور زمانہ جاہلیت کے فرسودہ توہمات پر مبنی

رسم ورواج سے احساس کمتری کے شکار تھے،جب پیغمبر اسلام ﷺ کی روح افزا،ولولہ انگیز اور انسانوں کو نجات دینے والی فریاد سنی،تو دل وجان سے آپ کی دعوت کو قبول کیا۔پیغمبر اسلام ﷺ کے گرانقدر بیانات تمام طبقات کے لئے موثر تھے،لیکن جوانوں کا طبقہ دوسرے طبقات کی نسبت زیادہ دلچپی کا اظہار کرتا تھا،کیونکہ آنحضرتؐ کے بیانات ان کے اندرونی افکار کے جواب اور ان کی روحانی غذا شمار ہوتے تھے۔جب آنحضرتؐ کے خصوصی نمائندہ مصعب بن عمیر،قرآن مجید کی تعلیم دینے اوراسلامی ودینی معارف کی نشر واشاعت کے لئے مدینہ آئے توجوانوں نے بڑوں کی نسبت ان کی دعوت کو زیادہ قبول کیا اور دینی احکام کو سیکھنے کے لئے زیادہ دلچپی کا اظہار کیا۔ مصعب مدینہ میں اسعد بن زرارہ کے گھر میں سکونت پذیر تھے اور دن میں قبائل خزرج کے اجتماع میں جاتے تھے اور انھیں دین اسلام کی دعوت دیتے تھے اوراکثر جوان ان کی دعوت کو قبول کرتے تھے[1]۔

جاہلانہ افکار کے ساتھ جوانوں کا مقابلہ

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا پیغمبر اسلام ﷺ کے گرانقدر بیانات نے جوانوں میں ایک بڑی تبدیلی پیدا کی کہ جوان ہر وقت اور ہر جگہ اپنے مذہبی عقائد وافکار کا دفاع کرتے تھے اور جاہلانہ افکار کا مقابلہ کرتے تھے۔سعد ابن مالک،صدر اسلام کے ایک جوشیلے نوجوان تھے۔جو سترہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے تھے۔وہ ہجرت سے پہلے مشکل حالات میں،دوسرے نوجوانوں کے ساتھ ہر جگہ دین مقدس اسلام سے اپنی وفاداری اور جاہلانہ افکار کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ان کا یہ کام اس امر کا سبب بنا کہ مشرکین نے انھیں اذیت وآزار دینا شروع کیا۔دوسرے جوان کفار کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے دن کو پہاڑوں کے درّوں کے درمیان نماز پڑھتے تھے تاکہ قریش کے کفّار انھیں نہ دیکھ سکیں۔ایک دن مشرکین کے ایک گروہ نے،چند جوانوں کو نماز کی حالت میں مشاہدہ کیا۔انہوں نے جوانوں کی سرزنش کرنا شروع کی اور ان کے عقائد کی توہین کی۔سعدابن مالک نے مشرکین کی باتوں سے مشتعل ہو کر اونٹ کی ایک ہڈی سے مشرکین میں سے ایک کا سر پھوڑدیا اور اس شخص کے سرسے خون جاری ہوا۔یہ

[1] اعلام الوریٰ، ص ۶۸

پہلا خون تھا جو اسلام کے دفاع میں زمین پر گرا ۔ سعد کہتا ہیں کہ:مجھے اپنی والدہ سے انتہائی محبت تھی اور میں ان کے تئیں مہربان تھا ۔ جب میں نے اسلام قبول کیا ، میری ماں اس امر سے آگاہ ہوئی ۔ انہوں نے ایک دن مجھ سے کہا : بیٹا ! یہ کون سا دین ہے جسے تو نے قبول کیا ہے؟ اسے چھوڑ کر تجھے بت پرستی کو جاری رکھنا پڑے گا، ورنہ میں بھوک ہڑتال کروں گی یہاں تک کہ مرجاؤں ۔ اور مجھے سرزنش کرنے لگیں ۔ سعد اپنی ماں سے انتہائی محبت کرتا تھا اس لئے اس نے نہایت ادب و احترام سے کہا : میں اپنے دین سے دست بردار نہیں ہو سکتا ہوں اور آپ سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ کھانا پینا نہ چھوڑئیے! لیکن اس کی ماں نے اس کی بات پر توجہ نہ کی بلکہ ایک دن رات کھا نا نہیں کھایا ۔ اس کی ماں خیال کرتی تھی کہ اس کا بیٹا دین سے دست بردار ہوجائے گا ۔ لیکن سعد نے اپنی ماں سے انتہائی محبت رکھنے کے با وجود اس سے کہا : خدا کی قسم !اگر تیرے بدن میں ایک ہزار جانیں بھی ہوتیں اور وہ سب ایک ایک کرکے تیرے بدن سے نکل جاتیں، پھر بھی میں اپنے دین سے دست بردار نہ ہوتا ! جب اس کی ماں نے دیکھا کہ اس کا بیٹا اپنے دین کو دل و جان سے قبول کر چکا ہے، تو اس نے بھوک ہڑتال ختم کر کے کھانا کھا لیا[1] ۔

بیشک ، سعد نے جاہلیت کے افکار سے مقابلہ کیا اور دوسرے جوانوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اور بتوں کو توڑدیا ، بت خانوں کو کھنڈرات میں تبدیل کیا اور ظلم و ستم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور ایمان، علم ، تقوی اور اخلاقی قدروں کے اصولوں پر ایک نئے معاشرہ کی بنیاد ڈالی اور پسماندہ ترین ملتوں کو کمال اور معنوی اقدار کے بلند ترین درجات تک پہنچایا ۔

---

[1] اسد الغابہ ، ج ۲، ص ۲۹۰

تیسری فصل

مملکت کے امور میں جوانوں سے استفادہ

''عقلمند جوان اپنی ناپائدار جوانی سے استفادہ کرتا ہے اور اپنے اعمال کو نیکی میں تبدیل کرتا ہے اور علم و دانش حاصل کرنے میں سعی و کوشش کرتا ہے۔ ''حضرت علی علیہ السلامترقی یافتہ ممالک میں، نسل جوان کے احترام و شائستگی اور ان کی عظیم توانائیوں سے استفادہ کرنے کے موضوع پر مکمل طور پر توجہ کی جاتی ہے اور مختلف امور سے متعلق اہم اور حساس ملکی عہدے انھیں سونپے جاتے ہیں اور لائق جوانوں سے قوم و ملت کے فائدہ کے لئے استفادہ کیا جاتا ہے۔پیغمبر اسلامؐنے بھی آج سے چودہ سو سال پہلے اس اجتماعی مسئلہ کی طرف خاص توجہ کی تھی اور اپنے چھوٹے اورنئے ملک میں حساس اور اہم ملکی امور میں جوانوں سے استفادہ کرتے تھے۔ مختلف مواقع پر ملک کے اہم عہدے شائستہ اور قابل جوانوں کو سونپتے تھے اور اپنے قول و فعل کے ذریعہ کھلم کھلا ان کی حمایت فرماتے تھے۔ جہل و نادانی اور تعصب سے بھرے ایک ماحول میں یہ کام آسانی کے ساتھ قابل قبول نہیں تھا۔ کیونکہ سن رسیدہ لوگ، جوانوں کی بات ماننے اور ان کی پیروی کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ جب پیغمبر اسلامؐکسی جوان کو منتخب کرکے اسے ایک اہم اور بڑے عہدہ پر فائز کرتے تھے، تو بوڑھے اور سن رسیدہ افراد ناراض ہوتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھل کر شکوہ کرتے تھے۔ اس حقیقت کو پہلی دعوت ذوالعشیرہ میں بخوبی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے[1]۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اس تحریک کو استحکام بخشنے کے لئے مسلسل تاکید کرتے تھے اورنامناسب، تعصب بھرے اور جاہلانہ افکار کاڈٹ کر مقابلہ کرتے تھے اور آخر کار اپنے حکیمانہ بیانات اور بے شمار نصیحتوں سے لوگوں کو مطمئن کرتے تھے یا انھیں خاموشی

[1] تاریخ طبری ج ۲، ص ۶۲۔ الکامل ، ج ۲، ص ۴۰۔ مسند احمد ، ج ۱، ص ۱۱۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ، ج ۳، ص ۲۱۰

اختیار کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ اس کے علاوہ لوگوں کے سامنے منبر سے اپنے بیانات کے ذریعہ جوانوں کی تعریف کرتے تھے اور ان کی حمایت کا اعلان کرتے تھے اور اس طرح انھیں ملک کے اونچے اور اہم عہدوں پر فائز کرتے تھے۔ یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ جوانوں کو کسی عہدہ کے لئے منتخب کرنے کی بنیادی شرط ان کی صلاحیت اور شائستگی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بیانات کی تحقیق سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہوجاتی ہے۔ کہ جن جوانوں کو پیغمبر اسلام ﷺ نے منتخب کرکے مملکت کے اہم عہدوں پرفائز کیا تھا، وہ عقل ، فکر ، ہوشیاری، ایمان ، اخلاق اور حکمت عملی کے لحاظ سے شائستہ اور لائق تھے۔ اب ہم ایسے جوانوں کے چند نمونے پیش کرتے ہیں، جنھیں پیغمبر اسلام ﷺ نے ملک کے اجرائی عہدوں پر فائز کیا تھا، تا کہ جوانوں کے حق کی تعیین میں کوئی غلطی سرزد نہ ۔ ہواور ہم اپنے بے جا فیصلوں سے افراط و تفریط کے شکار نہ ہوں اور خود جوان اور عوام بھی اس سلسلہ میں غلطی کا شکار نہ ہوں، کیونکہ جوانوں کو انتخاب کرنے کا قابل قدر معیار ،ایمان اور معنوی اقدار ہے۔

علی ابن ابیطالب علیہ اسلامنوجوانوں میں سے ایک شخصیت جو ابتداء سے آخر تک رسول خدا ﷺ کی خدمت میں فرائض انجام دیتی رہی وہ حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ آپؑ تمام میدانوں میں فعّال طریقہ سے حاضر تھے اوررسول خدا ﷺ کے محبوب تھے اور اسلام کے آغاز سے ایک جان نثار سپاہی شمار ہوتے تھے۔ علی علیہ السلام، حضرت ابوطالب کے بیٹے اور سب سے بڑے اور مشہور قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ آپؑ کی والدہ فاطمہ بنت اسدابن عبد مناف تھیں۔ وہ خاندان بنی ہاشم کی ایک محترم اور عظیم خاتون تھیں۔ اس لحاظ سے علی علیہ السلام پہلے بچہ تھے جو ماں باپ دونوں کی جانب سے ہاشمی تھے[1]۔ علی علیہ السلام معجزانہ طور پر خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔اور یہ فضیلت کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی ۔ آپؑ ولادت کے بعد تین دن تک کعبہ کے اندر رہے ۔ اس کے بعد آپؑ کی والدہ آپ کو گود میں لئے ہوئے کعبہ سے باہر آئیں[2]۔ حضرت علی علیہ السلام کے والد حضرت ابوطالبؑ نے اسلام کے بحرانی حالات میں پیغمبر اسلام ﷺ کا دفاع کیا ، جب کہ تمام لوگ آنحضرتؐ کے خلاف متحد ہو چکے تھے۔

[1] تاریخ انبیاء ج ۱، ص ۷۶بحار الانوار ج ۳۵، ص ۶۸، شرح نہج البلاغہ حدیدی، ج ۱، ص ۶
[2] مستدرک حا کم، ج ۳، ص ۴۸۳۔ کفایہ المطالب، ص۲۶۰، الغدیر ، ج ۶، ص ۲۲

یہاں تک کہ بعثت کے دسویں سال حضرت ابوطالبؑ اور آنحضرت کی شریک حیات حضرت خدیجہؑ اس دنیا سے رحلت کر گئیں۔ اس سال کا نام ''عام الحزن'' رکھا گیا ۔ حضرت ابوطالبؑ نے پیغمبر اسلام کی ۸ سال کی عمر سے آپؐ کی سرپرستی اپنے ذمہ لے لی تھی۔ حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے وقت حضرت علی علیہ السلام کی عمر ۶ سال تھی اور آپؐ اسی وقت علی علیہ السلام کو اپنے گھر لے آئے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ کے گھر میں آپؐ کی سرپرستی میں پرورش پائی[1]۔

جبرئیل امین کے غار حرا میں نازل ہونے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسالت پر مبعوث ہونے کے بعد جب آنحضرتؐ گھر تشریف لائے اور وحی کے متعلق حضرت علی علیہ السلام کو اطلاع دی تو علی علیہ السلام، جو کہ اس وقت نو سال کے تھے، نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول کیا لہذا آپ مردوں میں پہلے مسلمان ہیں[2]۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسالت پر مبعوث ہونے کے بعد تین سال تک اپنی دعوت کو آشکار نہیں کی۔ تیسرے سال خدا کے حکم سے آنحضرتؐ مامور ہوئے تا کہ اپنی دعوت کو آشکار فرمائیں اور اس دعوت کا آغاز میں اپنے رشتہ داروں سے کریں۔

اس لئے آنحضرتؐ نے اپنے رشتہ داروں کو دعوت دی اور کھانا کھلانے کے بعد فرمایا: اے عبد المطلب کے بیٹو! خداوند متعال نے مجھے عام لوگوں اور بالخصوص تم لوگوں کی رہبری کے لئے بھیجا ہے اور فرماتا ہے: (و انذر عشیرتک الأقربین) ''اور پیغمبر! آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے[3]'' پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار اس مطلب کو دہرایا، لیکن علی علیہ السلام کے علاوہ کسی نے پیغمبر اکرمؐ کی آواز پر لبیک نہ کہا، جبکہ اس وقت علی علیہ السلام صرف ۱۳ سال کے تھے۔ رسول خداؐ نے فرمایا: اے علیؑ! تم ہی میرے بھائی، جانشین، وارث اور وزیر ہو[4]۔ بستر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر علی علیہ السلام کی جان نثاری: بعثت کے تیرھویں سال قریش کے سرداروں نے ایک سازش کے تحت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ۔ اس کام کے لئے ہر قبیلہ سے ایک

---

[1] اصول کافی، ج ۱، ص ۴۴۔ الغدیر، ج ۷، ص ۳۳۰۔ بحار الانوار ، ج ۳۵، ص ۶۸ تا ۱۸۳

[2] تاریخ طبری، ج ۲، ص ۲۱۲۔ الغدیر،ج ۳،ص ۲۲۶۔ بحار الانوار ، ج ۳۸، ص ۲۶۲۔احقاق الحق، ج ۲، ص ۱۵۳

[3] شعراء،۲۱۴، تفسیر فرات ، ص ۱۱۲

[4] احقاق الحق ج ۶، ص ۴۴۹، بحار الانوار، ج ۳۸، ص ۲۴۴، مناقب ابن شہر آشوب ، ج ۲،ص ۱۸۰، کنزالعمال ، ج ۶، ص ۳۹۷

شخص کا انتخاب کیا، تاکہ رات کے وقت آنحضرتؐ پر حملہ کرکے آپؐ کو شہید کرڈالیں ۔ رسول خداؐ نے علی علیہ السلام سے اپنے بستر اپر سونے کو کہا تاکہ دشمن یہ نہ سمجھ سکیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ ہجرت کر گئے ۔ حضرت علی علیہ السلام کی عمر اس وقت ۲۳ سال تھی، آپؑ نے رسول خداؐ کی خواہش کو دل سے قبول کیا اور آنحضرتؐ کے بستر پر سو گئے۔ رسول خداؐ شہر سے باہر نکل کر مکہ کے نزدیک واقع غار ثور میں تشریف لے گئے۔ اس رات کے آخری حصہ میں چالیس افراد نے رسول خداؐ کے گھر پر حملہ کیا اور رسول خداؐ کے بستر پر علی علیہ السلام کو پایا[1] ۔

جنگ بدر

تاریخ اسلام میں حق و باطل کا پہلا معرکہ جنگ بدر تھا ۔ یہ جنگ ۲ ہجری میں کفار مکہ کے سرداروں اور اسلام کے سپاہیوں کے درمیان بدر نامی جگہ پر واقع ہوئی۔ بدر کا مقام مدینہ سے ۲۸ فرسخ دور اور بحر الاحمر سے چھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ کفار کا لشکر ایک ہزار سے زائد افراد پر مشتمل تھا اور سب کے سب جنگی ساز و سامان سے مسلح تھے ۔ لیکن رسول خدا ﷺ کی فوج صرف ۳۱۳ سپاہی تھے ۔ اس جنگ میں لشکر کفار کے تین نامور پہلوان عتبہ، اس کا بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید ،علی علیہ السلام، جناب حمزہ اور جناب عبیدہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اس جنگ میں علی علیہ السلام کی عمر ۲۵ سال تھی[2]۔

جنگ احد

جنگ بدر کے ایک سال بعد، مشرکین نے اپنی فوج کو نئے سرے سے منظم اور مسلح کر کے مختلف قبیلوں سے تین ہزار جنگجو ابو سفیان کی سرکردگی میں روانہ کئے اور تمام جنگی ساز و سامان سے لیس ہو کر اس فوج نے مدینہ سے ایک فرسخ کی دوری پر کوہ احد کے دامن میں پڑاؤ ڈالا ۔ رسول خدا ﷺ نے سات سو سپاہیوں پر مشتمل ایک فوج کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا ۔ آنحضرتؐ نے عبد اللہ ابن

---

[1] احقاق الحق، ج ۳، ص ۲۶ و ج ۶، ص ۴۷۹۔ بحار الانوار ج ۱۹، ص ۶۰۔ سیره حلبیہ ج ۲، ص ۲۶
[2] احقاق الحق، ج ۸، ص ۳۵۲۔ بحار الانوار ، ج ۴۱ ، ص ۸۰۔ ارشادمفید ، ج ۱، ص ۶۲

جبیر کی سر کردگی میں پچاس تیراندازوں کو لشکر اسلام کے پیچھے ایک پہاڑ کے درہ پر مامور کیا اور حکم دیاکہ اس جگہ کو کسی بھی حالت میں نہ چھوڑیں۔ لشکر کفار سے، طلحہ ابن ابی طلحہ، ابو سعید ابن طلحہ، حرث ابن ابی طلحہ، ابوعزیزا بن طلحہ، عبد اللہ ابن ابی جمیلہ اوارطات ابن سر جیل نامی کئی پہلوان بالترتیب میدان کارزار میں آئے اور یہ سب، ۲۶ سالہ نوجوان حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل کئے گئے۔ اسلام کے سپاہی جنگ کی ابتداء میں فتحیاب ہوئے۔ لیکن تیراندازوں کے درہ کو چھوڑنے کی وجہ سے خالدابن ولید کی سرکردگی میں دشمن کے سواروں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور انھیں شکست دیدی۔ اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہوئے، جن میں حضرت حمزہؑ بھی تھے۔ بعض سپاہیوں، من جملہ علیؑ نے رسول خدا کا مکمل سے دفاع کیا۔ علی علیہ السلام کے بدن پر اس جنگ میں ۹۰ زخم آئے، اسی جنگ میں یہ آسمانی آواز سنی گئی '' لافتی الا علی لا سیف الا ذولفقار'': ''علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی جوان نہیں اور ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں[1]''۔

جنگ خندق (احزاب)

شوال ۵ھ ہجری میں مشرکین مکہ نے مدینہ میں بچے کچھے یہودیوں اور دوسرے قبائل کی مدد سے ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک فوج تشکیل دی اور مسلمانوں کو نابود کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس جنگ میں لشکر کفار کا اسی (۸۰) سالہ نامور پہلوان عمروا بن عبدود بھی شریک تھا۔ وہ جنگ بدر میں زخمی ہوا تھا لہذا اس کے دل میں مسلمانوں کے متعلق کینہ تھا اور اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک رسول خداؐ اور مسلمانوں سے انتقام نہیں لوں گا اس وقت تک اپنے بدن پر تیل کی مالش نہیں کروں گا!! مدینہ میں داخل ہونے کے بعد یہودیوں کے قبیلہء بنی قریضہ نے، رسول خدا ﷺ سے کئے ہوئے اپنے عہد وپیمان کو توڑ کر کفار کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا! مسلمانوں نے سلمان فارسیؓ کے مشورے پر مدینہ کے اطراف میں خندق کھودی تاکہ دشمن شہر میں داخل نہ ہوسکیں۔ مسلمان ۲۸ دن تک محاصرہ میں رہے، یہاں تک کہ کفار کا پہلوان عمروا بن عبدود نے خندق کو عبور کر کے مسلمانوں کو مقابلہ کی دعوت دی۔

[1] احقاق الحق، ج ۸، ص ۳۵۹۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۴۰۱۔ تذکرة الخواص، ص ۳۰، تاریخ طبری ، ج ۳، ص

علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی شخص اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوا کیونکہ عمرو بن عبدود ایک زبر دست پہلوان تھا ۔ علی علیہ السلام میدان میں تشریف لائے ۔ جب علی علیہ السلام کا عمرو ابن عبدود سے مقابلہ ہوا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج کل ایمان کل کفر کے مقابلہ میں ہے ۔ '' اس مقابلہ میں حضرت علیؑ نے دشمن کو ہلاک کر دیا اور اس کے سر کو تن سے جدا کر کے رسول خداؐ کے سامنے ڈال دیا ۔ رسول خداؐ نے فرمایا: ''بیشک خندق میں علیؑ کی ضربت جن وانس کی عبادت سے افضل ہے ۔ '' علی علیہ السلام نے جس وقت یہ گرانقدر خدمت اسلام اور مسلمانوں کے حق میں انجام دی، اس وقت آپ ۲۷ سالہ جوان تھے ۔ اس جنگ کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی علیہ السلام کی سرکردگی میں ایک لشکر کو لے کر بنی قریضہ کے یہودیوں کی طرف روانہ ہوئے ۔ یہودیوں کے سردار حی ابن اخطب کے مارے جانے کے بعد شہر مدینہ کے باشندے یہودیوں کے خطرہ سے مکمل طور پر محفوظ ہوئے اور یہودیوں کا مال ومنال اور ان کی عورتیں مسلمانوں کے قبضہ میں آگئیں[1] ۔

علی علیہ السلام کے ہاتھوں خیبر کی فتح ۷ ہجری میں خیبر کے یہودیوں نے ایک منصوبہ بنایا ۔ انہوں نے مدینہ کے شمال مغرب میں دو سو کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع خیبر کے سات قلعوں میں سے بعض کو جنگی اسلحوں سے بھر دیا ۔ ان قلعوں میں چودہ ہزار یہودی رہائش پذیر تھے ۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چودہ سو پیدل سپاہیوں اور دو سو گھوڑ سواروں کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے اور لشکر کا پرچم علی علیہ السلام کو دیا جو اس وقت تیس سال کے جوان تھے ۔ اس جنگ میں عمر اور ابو بکر نے شکست کھائی ۔ یہاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے علی علیہ السلام میدان جنگ میں آئے اور یہودیوں کے نامور پہلوان مرحب پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے اور ایک کاری ضرب سے اس کا کام تمام کیا ۔ اس کے بعد مسلمانوں نے حملہ کیا اور علی علیہ السلام نے خیبر کے آہنی دروازہ کو اکھاڑ کر سپر کے مانند ہاتھ میں اٹھا لیا ۔ اس جنگ میں یہودیوں کے تین پہلوان مرحب، حارث اور یاسر علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوئے اور خیبر فتح ہوا ۔ جنگ کے خاتمہ پر چالیس آدمیوں کی مدد سے در خیبر کو دوبارہ اپنی جگہ پر نصب کیا گیا[2] ۔

---

[1] احقاق الحق ج۸، ص۳۷۸ ، مستدرک حاکم ج ۳ص۳۲۔تاریخ بغداد ج۱۳، ص۱۹ ۔مقتل الحسین خوارزمی ص۴۵

[2] احقاق الحق ج۵، ص ۴۲۰۔کنز العمال ج۵ ، ص۲۸۳۔ارشاد مفید ج۱، ص۱۱۴ ۔مستدرک الصحیحین ج۳ ص۳۷

فتح مکہ

سنہ ۸ھ کو مکہ، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں جنگ و خونریزی کے بغیر فتح ہوا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ہزار افراد کے ہمراہ مکہ میں داخل ہوئے اور خانہ کعبہ میں موجود تمام بتوں کو توڑ ڈالا۔ اس کے بعد علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ کے دوش مبارک پر قدم رکھ کر کعبہ کی دیوار پر چڑھیں اور بتوں کو توڑیں۔ علی علیہ السلام نے اطاعت کی بتوں کو توڑنے کے بعد دیوار سے نیچے آئے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: آپؑ نے اترتے وقت کیوں میرے شانوں پر قدم نہ رکھے؟ علی علیہ السلام نے عرض کی: اوپر چڑھتے وقت آپؐ نے حکم فرمایا اور میں اوپر چڑھا، لیکن اترتے وقت نہیں فرمایا کہ کیا کروں، اسی لئے چھلانگ لگا کر اترا اور اس سے بے ادبی مقصود نہیں تھی، خدا کا شکر ہے کچھ نہیں ہوا[1]۔

جی ہاں، اسلام کا یہ عظیم پہلوان، ہر اس کارزار میں حاضر ہوتا تھا جہاں پر دشمن اور کفار اسلام اور مسلمانوں کو نابود کرنے کے لئے آتے تھے، اور وہ ان کے مقابلہ میں دل و جان سے اسلام و مسلمین کا دفاع کرتا تھا۔ اس طرح اس دلاور پہلوان کو ایسے فخر و مباہات نصیب ہوئے کہ دوسرے ان سے محروم رہے۔

جعفر ابن ابیطالبؑ

جعفر ابن ابیطالبؑ، پیغمبر اسلامؐ کے صحابی اور حضرت علی علیہ السلام کے بھائی ہیں، جو آپؑ سے دس سال بڑے تھے۔ وہ ایک دلاور پہلوان اور اولین مسلمانوں میں سے تھے۔ وہ جعفر طیار کے نام سے مشہور ہیں، کیونکہ انہوں نے ایک جنگ میں اپنے دونوں بازو قربان کئے اور رسول خداؐ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ خدا وند متعال نے ان کے دو بازؤں کے عوض انھیں بہشت میں دو پر عطا کئے ہیں۔ اسی لئے جعفر طیار کے نام سے مشہور[2] ہوئے۔ پیغمبر اسلامؐ جعفر طیار سے کافی محبت کرتے تھے۔ انہوں نے ۵

---

[1] احقاق الحق، ج ۸، ص ۶۸۲۔ سیره ابن ہشام ج ۲، ص ۴۲۹۔ اسد الغابہ ، ج ۳، ص ۱۰۲۔ الاصابہ ، ج ۱، ص ۳۱۸

[2] الاعلام زرکلی ، ج ۲، ص ۱۲۵، الاصابہ، ج ۱، ص۲۳۷، صفۃ الصفوه،ج ۱، ص ۲۰۵، مقاتل الطالبین،ص ۳

سنہء ہجری میں دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں پر مہاجرین کے گروہ کے ترجمان کی حیثیت سے منتخب ہوئے، جبکہ اس وقت صرف ۲۴ سالہ جوان تھے۔ ہجرت کر کے جانے والے مسلمان ۷ ہجری تک حبشہ میں رہے اور اس کے بعد واپس مدینہ لوٹے۔ حبشہ سے مسلمانوں کی واپسی عین اس وقت ہوئی جب پیغمبر اسلامؐ خیبر فتح کر کے مدینہ واپس لوٹے۔ پیغمبر اکرمؐ نے جوں ہی انھیں دیکھا، اپنے چچا زاد بھائی کے احترام میں اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے، اپنی باہوں کو ان کی گردن میں ڈالا اور ان کے ماتھے کو چوما اور رونے لگے۔ اس کے بعد فرمایا: میں نہیں جانتا کہ میں کس چیز کی خوشی مناؤں، جعفر کے آنے کی یا فتح خیبر کی[1] سنہ ۸ ہجری میں، یعنی حبشہ سے لوٹنے کے ایک سال بعد، جعفر طیار، رسول خداؐ کے حکم سے، رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل ایک لشکر کے سپہ سالار کی حیثیت سے اردن کی طرف روانہ ہوئے۔ اسلام کے سپاہی مدینہ سے روانہ ہو کر اردن کی سرزمین میں ''موتہ'' کی جگہ پر رومیوں سے نبرد آزما ہوئے۔

اس جنگ میں بہادری کے ساتھ لڑنے کے بعد جعفر کے دونوں بازو کٹ گئے، اس کے بعد انہوں نے پرچم اسلام کو اپنے سینے سے لگا لیا، یہاں تک کہ شہید ہوگئے، ان کو اس حالت میں دفن کیا گیا کہ، بدن پر ستر (۷۰) زخم لگے ہوئے تھے[2]۔ جب رسول خداؐ کو جعفر کی شہادت کی خبر ملی تو آپؐ نے روتے ہوئے فرمایا: جعفر جیسے شخص کے لئے ضرور رونا چاہئے۔

مصعب ابن عمیر

مصعب ابن عمیر تاریخ اسلام کے ایک دلاور جوان اور نمایاں فرد شمار ہوتے ہیں۔ وہ ایک انتہائی خوبصورت، با حیا، باہمت اور دلاور جوان تھے۔ ان کے ماں باپ ان سے انتہائی محبت کرتے تھے۔ وہ مکہ میں ایک محترم شخصیت شمار ہوتے تھے اور عمدہ لباس پہنتے تھے اور اچھی زندگی گزارتے تھے[3]۔ مصعب ابن عمیر، رسول خداؐ کے بیانات کے دلدادہ ہوچکے تھے انہوں نے رسول خداؐ

[1] الاستیعاب فی هامش الاصابہ، ج ۱، ص ۲۱۲۔ حلیتہ الاولیاء ، ج ۱، ص ۱۱۴، طبقات ابن سعد ، ج ۴، ص ۱۲۵
[2] الاصابہ ، ج ۱، ص ۲۳۹، سیرہ حلبیہ، ج ۲، ص ۷۸۶، معجم البلدان ، ج ۵، ص ۲۱۹، الاعلام زرکلی، ج ۳، ص ۱۲۵
[3] الاعلام زرکلی ، ج ۷، ص ۲۴۸

کے پاس نشست برخاست اور قرآن مجید کی تلاوت سننے کے نتیجہ میں مخلصانہ طور پر اسلام کو قبول کرلیا۔ اس وقت مکہ میں اسلام قبول کرنا سب سے بڑا جرم شمار ہوتا تھا۔ اس لئے اس کا اظہار بہت مشکل تھااور بہت سے لوگ اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے،ان میں سے ایک مصعب ابن عمیر تھے،یہاں تک کہ ان کے ماں باپ کو معلوم ہوا اور انہوں نے انھیں گھر میں قید کر لیا۔لیکن وہ بھاگ نکلے اور دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ حبشہ چلے گئے اور ایک مدت کے بعد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپس مکہ لوٹے۔ عقبہء اولیٰ میں ایک چاندنی رات میں مدینہ کی اہم شخصیتوں میں سے بارہ افراد نے مکہ آکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی اور مسلمان ہوگئے ۔جب یہ گروہ واپس مدینہ لوٹنا چاہتا تھا توان میں سے دو افراد ،اسعد ابن زرارہ وزکوان ابن عبد قیس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی،کہ کسی کو اپنے نمائندے کے طور پر ہمارے ساتھ مدینہ بھیجدیں تاکہ وہ لوگوں کو قرآن سکھائے اور انھیں اسلام کی طرف دعوت دے[1]۔

چونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک سنہرا موقع ملا تھا،اس لئے آپؐ کو چاہئے تھا کہ ایک ایسے نمایندہ کو روانہ کریں جو عالمانہ طرز سے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دے،تاکہ وہ اسلام کو قبول کرلیں لہذااس نمایندکوہر لحاظ سے شائستہ اور تجربہ کار ہو نا چاہئے تھا۔ اس زمانہ میں،مدینہ،جزیرۃالعرب کے اہم شہروں میں شمار ہوتا تھا اس میں اوس وخزرج نامی دو مشہور اوربڑے قبیلے رہتے تھے اور ایک دوسرے سے دشمنی اورکینہ رکھتے تھےاور سالہا سال سے آپس میں لڑ رہے تھے۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں اور اصحاب میں سے مصعب ابن عمیر کو اس کام کے لئے مدینہ روانہ کیا اور فرمایا :''اسعد ابن زرارہ کے ہمراہ مدینہ چلے جاؤ۔'' مصعب،جواچھی طرح قرآن مجید سیکھ چکے تھے،جوانی کے جوش وجذبہ کے ساتھ مدینہ پہنچے اور خلوص نیت کے ساتھ تبلیغ کے لئے سعی وکوشش کرنے لگے۔وہ مدینہ میں قبیلہء خزرج کے ایک سردار اسعد کے گھر میں ساکن ہوئے اور اپنے میزبان کے ہمراہ قبیلہء اوس کے سربراہ سعد ابن معاذ کے گھر گئے اور انھیں اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہوگئے۔ اسی طرح اسید بن حُضیر بھی

[1] حلیۃ الاولیاء ج۱ ،ص۱۰۶

مصعب کے ذریعہ مسلمان ہوئے۔ دلا ور جوان مصعب نے مدینہ کے اپنے سفر میں اپنی ذمہ داری اچھی طرح انجام دی ۔ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مدینہ میں نماز جمعہ وجماعت قائم کی اور نمایاں افتخار حاصل کیا[1]۔ مصعب کی مؤثر فعالیت اور کامیاب تبلیغ کے نتیجہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے شہر مدینہ یںآنے کے مواقع فراہم ہوئے اور وہاں کے لوگ دل کھول کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپکے پیرؤں کا استقبال کرنے کے لئے تیار ہوگئے ۔

یہ کام مصعب کی دور اندیشی ،تقویٰ، فضلیت اور علم و بصیرت سے انجام پایا،کیونکہ اسی کی وجہ سے مدینہ کے زن ومرد پیر وجوان ،قبائل کے سردار اورعام لوگوں نے ان کی باتوں کو مان کر ان سے قرآن مجید سیکھا اوردین اسلام کو قبول کیا اوراپنے دلوں سے ایک دوسرے کے خلاف موجود دیرینہ دشمنیوں کو دور کرکے آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور پورے خلوص دل سے نماز جمعہ و جماعت میں شرکت کرتے تھے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ میں داخل ہونے کے بعد ،مصعب نے بدر اور احد کی جنگوں میں شرکت کی۔ جنگ احد میں انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمدار کی حیثیت سے ذمہ داری نبھائی اور آخر کاراس جنگ میں شہید ہوئے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؑ کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے[2]۔ مکہ کے گورنر،عتاب ابن اسید مکہ ۸ ہجری میں کسی خونریزی کے بغیراسلام کے سپاہیوں کے ہاتھوں فتح ہوا ۔ فتح مکہ کے فوراً بعد جنگ حنین کا واقعہ پیش آیا ۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی مکہ کو ترک کر کے محاذ جنگ کا رخ کرنے پر مجبور ہوئے۔ دوسری طرف رسول اللہؐ کے لئے ضروری تھا کہ کفار کے قبضہ سے آزاد ہونے والے شہر مکہ کا انتظام و انصرام سنبھالنے کے لئے کسی لائق اور باصلاحیت شخص کو گورنر کے عہدہ پر منتخب کریں تاکہ وہ لوگوں کے مسائل کو حل کریں اور دشمنوں کی طرف سے ہونے والی کسی نا مناسب حرکت کا

---

[1] طبقات ابن سعدج٣،ص٨٢۔الاصابۃ ج٣،ص٤٠ حلیۃ الاولیاء ج١،ص١٠٦

[2] سیرۃابن ہشام ج ٢،ص٢٩٤ ۔اسد الغابہ ج ٤، ص٣٦٩۔صفۃ الصفوہ ج١،ص١٢٥ ۔بحار الانوار ج ٦،ص٤٠٥

جواب دے ۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں میں سے ایک اکیس سالہ نوجوان، عتاب ابن اسید کو اس اہم عہدہ کے لئے منتخب فرمایا اور انھیں لوگوں کو نماز جماعت پڑھانے کا حکم دیا ۔ وہ پہلے امیر تھے، جنھوں نے مکہ کے فتح ہونے کے بعد وہاں پر نماز جماعت قائم کی[1]۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے منتخب گورنر سے مخاطب ہوکر فرمایا '': کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمھیں کس عہدہ پر منتخب کیا ہے اور کس قوم کی فرمانروائی تمھیں سونپی ہے؟ میں نے تمھیں حرم خدا اور مکہ معظمہ کے باشندوں کا امیر مقرر کیا ہے ۔ میں اگر مسلمانوں میں کسی کو تم سے زیادہ لائق اور شائستہ پاتا، تو '' یقیناً یہ عہدہ اسی کے سپرد کرتا ۔ '' جس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے عتاب مکہ کے گورنر مقرر ہوئے، ان کی عمر اکیس (۲۱) سال تھی[2]۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس نوجوان کو اس عظیم اور اہم عہدہ پر مقرر کرنا، عرب کے بزرگوں اور مکہ کے سرداروں کے لئے ناراضگی کا سبب بنا ۔

نتیجہ میں انہوں نے شکوہ اور اعتراض کرنے کے لئے زبان کھولی اور کہا : رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں ہمیشہ حقیر اور پست رکھنا چاہتے ہیں، لہذا ہم سن رسیدہ عربوں اور مکہ کے سرداروں پر ایک نوجوان کو امیر اور فرمانروا مقرر کیا ہے ۔ یہ باتیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئیں ۔ اس لئے آپ نے مکہ کے باشندوں کے نام ایک مفصل خط مرقوم فرمایا اور اس خط میں عتاب کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا ذکر کیا اور تاکید فرمائی کہ لوگوں پر فرض ہے کہ اس کے حکم کی پیروی کریں اور اس کے دستورات پر عمل کریں ۔

اس خط کے آخر پر آنحضرت نے لوگوں کے بے محل اعتراضات کا مختصر لفظوں میں اس طرح جواب دیا '': تم میں سے کسی کو حق نہیں ہے کہ عتاب کے نوجوان ہونے کی بنیاد پر اعتراض کرے، کیونکہ انسان کی برتری اور قدر و منزلت کا معیار اس کی عمر نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس انسان کی قدر و منزلت کا معیار، اس کی فضیلت اور معنوی کمال ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد، عتاب، خلیفہ اول ابو بکر کی طرف سے بھی مکہ کے گورنر برقرار رہے، یہاں تک کہ ۱۳ ہجری میں اس دنیا سے چل بسے[4]۔ چنانچہ

---

[1] تاریخ اسلام ذہبی ج ۱، ص۳۸۰۔شذرات الذہب ج۱ ، ص۲۶۔سیرہ حلبیہ ج۳، ص۱۲۰
[2] اسد الغابہ ج ۳ ص۳۵۸۔الاعلام زرکلی ج ۴، ص۲۰۰
[3] ناسخ التواریخ، حالات پیامبر صلی اللہ علیہ وسلم ص۳۷۸
[4] الاعلام زرکلی، ج۴ ص۲۰۰۔الاصابہ ج ۲ ، ص۴۵۱

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عتاب ابن اسید کے عہدہ کو استحکام بخشنے کے لئے اصرار اور بزرگوں اور عمر رسیدہ لوگوں کے اس سلسلہ میں ناراض ہونے پر آپ کا توجہ دینا اور ان کے اعتراضات کا جواب دینا ،اسلام کے گرانقدر مکتب کے منصوبوں یعنی لائق و شائستہ نوجوانوں کی حمایت کرنے کی دلیل ہے ۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتاب کی کھلم کھلا اور زبردست حمایت کرکے نہ صرف اپنے پیرؤں کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا کہ بیوقوفیوں اور جاہلانہ تعصبات کو چھوڑنا چاہئے،بلکہ انھیں اس قسم کے غیر اسلامی طرز تفکر سے مقابلہ کرنا چاہئے ۔اور اگر شائستہ اور لائق نوجوان موجود ہوں تو مملکت کے بعض اہم کاموں کے سلسلہ میں ان سے استفادہ کرنا چاہئے اور نسل جوان کی فائدہ بخش صلاحیتوں سے ملک وملت کے حق میں فائدہ اٹھانا چاہئے۔

معاذ ابن جبل

معاذ ابن جبل ابن عمر وانصاری،قبیلہء خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی کنیت ابو عبد الرحمان تھی ۔وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک مشہور صحابی تھے۔وہ عقل سلیم،خوبصورتی، جودو اور حسن اخلاق کے مالک تھے ۔وہ اٹھارہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے تھے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تمام جنگوں میں شریک تھے[1]۔معاذ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت میں مکتب الٰہی سے علم ودانش اور علوم اسلامی سیکھنا شروع کیا اور اپنی فطری استعداد اور سعی وکوشش کے نتیجہ میں چند برسوں کے اندر اسلامی معارف میں کافی مہارت حاصل کی۔ اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمایاں اور نامور صحابیوں میں شمار ہوئے ۔

معاذ ابن جبل فتح مکہ کے دن ۲۶ سال کے تھے ۔اس وقت ضرورت اس بات کی تھی کہ اس شہر میں ایک لائق اور شائستہ شخص کو ذمہ داری سونپی جائے تاکہ وہ عبادات اور معاملات سے متعلق اسلام کے احکام اور دستورات لوگوں کو سکھائے[2]۔اس لئے معاذ کو مکہ کے علمی امور اور دینی احکام سکھانے کے لئے منتخب کیا گیا ،حقیقت میں انھیں اس شہر کے ثقافتی امور کا رئیس مقرر کیا گیا

[1] اسد الغابہ ج۴ ،ص۳۷۶۔طبقات ابن سعد ج۳ ،ص۱۲۰ ،القسم الثانی
[2] سیرہ حلبیہ ج۳ ،ص۱۲۰

۔جنگ تبوک کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ کو یمن بھیجدیا تا کہ وہاں پر قضاوت اور حکومت کی ذمہ داریوں کو نبھائیں ۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن کے لوگوں کے نام ایک خط میں یہ مرقوم فرمایا:''میں نے بہترین افراد میں سے ایک کو تم لوگوں کی طرف بھیجا ہے'' پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ کو حکم دیا کہ فوجیوں کو ٹرینگ دیں،لوگوں کو قرآن مجید اور شرعی احکام سکھائیں اور زکوٰۃ جمع کر کے مدینہ بھیجیں تاکہ مسلمانوں پر خرچ کی جائے[1]۔جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جوان کو یمن بھیجنا چاہتے تھے اس وقت آپؐ نے اس سے سوال کیا :معاذ!اگر (دو گروہوں یا فریقوں میں)لڑائی چھڑ جائے تو تم کیسے فیصلہ کروگے؟معاذ نے عرض کی :خدا کی کتاب میں جو کچھ ہے،اسی کے مطابق فیصلہ کروں گا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :اگر اس کا حکم قرآن مجید میں نہ ہو تو کیا کروگے؟معاذ نے کہا :اس صورت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے مطابق عمل کروں گا ۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا :اگر میری روش اور سیرت میں بھی اس کا حکم نہ ملا تو اس صورت میں کیا کرو گے؟معاذ نے کہا :اس صورت میں اپنی صلاح دید کے مطابق حکم کروں گا ۔یہاں پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا :خدا کا شکر ہے کہ تم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات سے خوش کر دیا ہے کہ جس سے انبیاء خوش ہوتے ہیں[2]۔ ۱۱ ہجری میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی،تو اس وقت معاذ یمن میں تھے پہلے خلیفہ ابو بکر نے بھی معاذ کو اپنے عہدے پر برقرار رکھا ۔اس کے بعد وہ عمر کی خلافت کے زمانہ میں شام چلے گئے اور سرزمین اُردن میں عمواس[3] کے مقام پر ۱۸ ہجری میں انہوں نے ۲۸،۳۲یا۳۴ سال کی عمر میں طاعون کی بیماری میں وفات پائی[4]۔معاذ کی لیاقت وشائستگی کے نکات میں سے ایک نکتہ یہ تھا کہ وہ اس جوانی کی عمر میں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کے دوران مستقبل میں ہونے والے مجتہدوں کے طرز عمل پر فتویٰ دیتے تھے اور

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج۱ ص۲۲۸

[2] الاصا بۃ جُ۲ص۳۵۷

[3] عمو اس فلسطین میں بیت المقدس کے نزدیک ایک علاقہ ہے کہ اس علاقہ میں ۱۸ہجری کو پہلی بار وبا پھیلی جس کے نتیجہ میں بہت سے مسلمان اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی لقمہ اجل ہوگئے۔یہ بیماری خون میں ایک جراثیم داخل ہونے کی وجہ سے پھیلتی ہے اور چند گھنٹوں کے اندر انسان کو ہلاک کر دیتی ہے معجم البلدان ج۴ ،ص۱۵۷

[4] مجمع الزوائد ج۹ ،ص۳۱۰۔غایۃ النہایۃ ج۲ ،ص۳۰۱ صفۃ الصفوۃ ج۱،ص۱۹۵

دینی احکام کو قرآن مجید ،سنت اور عقل سے استنباط کرتے تھے ۔صدر اسلام میں اس دلاور نوجوان کی فطانت اور لیاقت کو ثابت کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے ۔[1]

اسامہ ابن زید

اسامہ ابن زید عرب نسل کے شامی عیسائی تھے ۔ان کی کنیت ابو محمد تھی وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی تھے۔وہ مکہ میں ہجرت سے سات سال پہلے پیدا ہوئے تھے ۔پیغمبر اسلام ان سے انتہائی محبت کرتے تھے ۔وہ ایک ہوشیار ،شائستہ اور با استعداد نوجوان تھے[2]۔اسامہ کے والد ،زید،رومیوں کے ساتھ جنگ میں سر زمین ''موتہ''میں جعفر ابن ابیطالب کی شہادت کے بعد دوسرے کمانڈر کی حیثیت سے شہید ہوئے تھے ۔اس لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ اسامہ ،جن کی عمر اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں تھی،کو رومیوں سے جنگ کے سلسلہ میں لشکر اسلام کا سپہ سالار مقرر فرماکر اس سر زمین کی طرف روانہ کریں۔جبکہ اسلامی لشکر کے تمام بڑے بڑے افسر اور اسلامی فوج کے سپہ سالاراور مہاجر وانصار کے تمام سردار اور عربوں کی نامور شخصیتیں اس عظیم فوج میں شریک تھیں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لشکر کا معائنہ کرنے کے لئے مدینہ سے باہر تشریف لائے۔آپ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تمام بڑی بڑی شخصیتیں جنگ کے لئے تیار ہیں[3]۔

پیغمبر اسلام کی طرف سے ایک اٹھارہ سالہ نوجوان کو کمانڈر کی حیثیت سے منتخب کرنا

بہت سے افراد کے لئے تعجب اور حیرت کا سبب بنا اور پیغمبر اسلام کے اس طرز عمل کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے ۔نتیجہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابیوں نے فوری طور پر رد عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی اندرونی کیفیت کو آشکار کیا اور جو کچھ دل میں تھا اسے زبان پر جاری کیا اور اعتراض کرتے ہوئے کہا :یہ نوجوان، تجربہ کار اور پہلے اسلام

[1] طبقات ج ۳،ص۱۲۰ ۔الاستیعاب در حاشیہ الاصابۃ،مادۂ ''معاذ''
[2] الاعلام زرکلی ج ۱،ص۲۹۱۔الاصابہ ج۱،ص ۲۹
[3] طبقات ج۴ ،ص۴۲۔بحار الانوار ج۲۱،ص۵۰۔اسعد الغابہ ج۱،ص۶۴

قبول کرنے والے مہاجرین پر کیسے سپہ سالار مقرر کیا گیا ؟رسول خدا ﷺ بعض افسروں کی طرف سے طعنے سن کر بہت رنجیدہ ہوئے ۔ لہذا منبر پر تشریف لے گئے اور خداوند متعال کی حمد وثناء کے بعد فرمایا :لوگو!اسامہ کی سپہ سالاری کے بارے میں بعض لوگوں سے یہ کیسی باتیں سن رہا ہوں؟تم لوگ جو آج طعنے دے رہے ہو،یہ طعنے نئے نہیں ہیں ۔جب میں نے چند سال پہلے اسامہ کے باپ زید کو جنگ موتہ میں سپہ سالار مقرر کیا تو تم لوگوں نے اس وقت بھی طعنہ زنی کی تھی ۔خدا کی قسم کل زید ابن حارثہ سپہ سالاری کے لئے لائق تھے،اور آج ان کے بیٹے اسامہ اس کام کے لئے شائستہ ہیں ،تم سب کو ان کی اطاعت کرنی چاہئے[1] ۔ لائق اور شائستہ نوجوانوں کی حمایت میں پیغمبر اسلام ﷺ کی اس تاکید اور اصرار نے مسلمانوں کے افکار پر گہرا اثر ڈالا ،اور جو لوگ جوان نسل کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا تھے انہوں نے رفتہ رفتہ اپنی غلط فہمیوں کا اعتراف کیا ۔ایک اٹھارہ سالہ نوجوان کو سپہ سالار کے عہدے پر منتخب کرنا دنیا کی فوجی تاریخ میں کم نظیر ہے ۔

اسامہ کی بر طرفی

بیشک،اسامہ کی سپہ سالاری کا موضوع اور پیغمبر اسلام ﷺ کی یہ تاکید اور اصرار کہ سب لوگ اسامہ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں ،تاریخ اسلام کے دلچسپ اور مشہور واقعات میں سے ہے ۔اُس وقت پیغمبر اسلام ﷺ بیمار تھے اور اپنی زندگی کے آخری لمحات سے گزر رہے تھے ۔اسی حالت میں جب ابو بکر اور عمر پیغمبر اکرم ﷺ کے سرا ہنے پہنچے اور پیغمبر ﷺ نے انھیں دیکھتے ہی ناراضگی میں فرمایا :اسامہ کے لشکر میں چلے جاؤ!چلے جاؤ!چلے جاؤ!خدا !لعنت کرے ان لوگوں پر جو جنگی آمادگی رکھنے کے باوجود اسا مہ کے لشکر میں شامل نہ ہو[2] ۔پیغمبر اسلام ﷺ کی رحلت کے بعد،اسا مہ مدینہ سے باہر اپنے لشکر کی چھاونی میں منتظر رہے تاکہ ان کا فریضہ معین ہو جائے؟جب ابو بکر بر سر اقتدار آ گئے ،تو انہوں نے اسامہ کو اسی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا جس طرف انھیں پیغمبر ﷺ نے روانہ ہونے کا حکم دیا تھا ۔اسامہ شام کی طرف بڑھے ،لیکن جب شام پہنچے ،تو ابوبکر نے انھیں بر طرف کر کے یزید ابن

---

[1] بحار الانوار ،ج۲۱ ،ص۵۰۔اسد الغابہ ج۲،ص۸۱

[2] طبقات ابن اسد ج۲ ،ص۴۲ ـتہذیب تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص۳۹۱

ابی سفیان کو ان کی جگہ پر مقرر کیا۔ جب یہ جوان سپہ سالار بر طرف ہوئے، تو مدینہ آکر مسجد النبیؐ کے دروازے پر کھڑے ہوکر فریاد کی: اے مسلمانو! تعجب کی بات ہے، جس شخص کا فرمانروا کل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بنایا تھا وہ آج مجھ پر حکم چلا رہا ہے اور مجھے سپہ سالاری کے عہدے سے بر طرف کر رہا ہے[1]۔ اس کے بعد اسامہ ۵۴ھ تک مدینہ میں زندہ رہے اور معاویہ کی حکومت کے دوران ''جُرف'' نامی ایک جگہ پر وفات پائی[2] ان تاریخی نمونوں سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے الٰہی مکتب میں جوانوں کی کتنی قدر و منزلت تھی۔

---

[1] اعلام الوری ص۱۴۵
[2] الاعلام زرکلی ج۱،ص۲۹۱۔الاصابہ ج۱،ص۲۹

چوتھی فصل

جوانوں کے خصوصیات

''اگر جوانی میں کوئی شخص زاہد و عابد بن جائے تو مستقبل میں اس کے معنوی درجات دسیوں گنا بڑھ جائیں گے۔ ''حضرت علی علیہ السلا محقیقت میں انسان اپنی پوری زندگی کے دوران دوسروں کی ہدایت وراہنمائی اور نصیحت کا محتاج ہوتا ہے۔ حتی کہ عمر رسیدہ افراد کہ جن کی عقل کامل ہوچکی ہوتی ہے اور اپنی زندگی کے دوران تجربات بھی حاصل کر چکے ہوتے ہیں، وہ بھی ہمیشہ گمراہی اور انحراف کے دہانے پر ہوتے ہیں اور دوسروں کی وعظ و نصیحت کے محتاج ہوتے ہیں،جوانوں کی بات ہی نہیں، جو ہر وقت عقل و فکر کی ناپختگی کی وجہ سے مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں۔ اسی لئے جوان دوسروں کی راہنمائی اور ہدایت کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں۔ اس دعوی کو ثابت کرنے کے لئے مندرجہ ذیل روایت پر غور کیجئے: محمد ابن مسلم زہری اپنے زمانہ کا ایک عظیم شخص اور دانشورو عقلمند تھا۔ دولت اورمقام کی لالچ نے اسے فضیلت و پاکی کے راستہ سے منحرف کردیا تھااور بوڑھاپے میں وہ بد بخت اورذلیل و رسوا ہوا۔

اس زمانہ کے نفسیاتی طبیب یعنی حضرت امام سجادؑ نے ہدایت اور وعظ و نصیحت کی غرض سے اس کے نام ایک خط لکھا اور اس کے ذیل میں ایک چھوٹے سے جملہ میں عقل کی ناپختگی کی وجہ سے جوانوں کو درپیش خطرات سے آگاہ کیا: ''جب دنیا پرستی تم جیسے سن رسیدہ ، تعلیم یافتہ اور موت سے قریب لوگوں کو ایسی ذلت وپستی میں ڈال سکتی ہے توایک نوجوان نفسانی خواہشات سے کیسے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے ؟کہ جو ایک طرف سے تو ابھی جوانی کے دور سے گزر رہا ہے اور دوسری طرف علم ودانش سے بھی خالی ہے اور اس کے علاوہ اس کی فکر کمزور اور عقل ناپختہ و منحرف ہے[1]۔ ''حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا '': جوان کی نادانی کا عذر

---

[1] تحف العقول ص۲۷۷

قابل قبول ہے ،کیونکہ اس کا علم ودانش محدود اور نا پختہ ہوتا ہے[1]۔اس لئے نا پختگی اور نادانی جوانوں کے خصوصیات میں سے ایک ہے کہ تربیت کے وقت اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے ۔یہی وجہ ہے کہ خدا وند متعال نے اپنے تمام بندوں کے لئے توبہ کا راستہ کھلا رکھا ہے اور سب سے زیادہ جوانوں کو توبہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے کیونکہ ممکن ہے جوانی کی جہالت اور جنون ان کی بہت سی غلطیوں اور خطاؤں کا سبب ہوں اور نجات کا تنہا راستہ توبہ ،خدا کی طرف راغب ہو نا اور دینی احکام کی پیروی کرنا ہے۔ جوان گوناگوں مسائل کے انتخاب میں مستقل مزاج نہیں ہوتے اور ان کی رائے ہمیشہ بدلتی رہتی ہے ۔

ان کا رجحان ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور ہر لحہ مختلف خطرات سے دوچار ہوتے رہتے ہیں ۔اس لئے دشمن بھی جوانوں کی اس کمزوری سے ہمیشہ فائدے اٹھاتے ہیں۔جوانوں کے دوسرے خصوصیات ،ان کی طاقت،توانائی،نشاط،تحرک اور سرگرمی ہے کہ اگر ان سے صحیح استفادہ نہ کیا جائے تو وہ ایسی بہت سی غلطیوں کے شکار ہو سکتے ہیں کہ جن کی تلافی ناممکن ہے ۔اس لئے جوانوں کی اس طاقت اور توانائی کو علم،تجربہ اور فکر سے ہم آہنگ کیا جانا چاہئے تاکہ مطلوب اور قابل قدر نتیجہ حاصل ہو سکے۔علی علیہ السلام فرماتے ہیں ’’:میں عمر رسیدہ لوگوں کی واضح اور روشن فکر کو جوانوں کی طاقت اور توانائی سے زیادہ پسند کرتا ہوں[2]۔‘‘

مومن جوانوں کی نشانیاں

تاریخ اورائمہ دین کی احادیث کی تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ مومن جوانوں کی کچھ خصوصیات اور نشانیاں ہیں۔ہم یہاں پر ان میں سے بعض کی طرف اختصار کے ساتھ اشارہ کرتے ہیں: ۱۔دینی احکام سے آگاہیبنیادی اور اہم ترین علم،جو ایک جوان کو حاصل کرنا چاہئے،دین کی آگاہی ہے، کیونکہ دین سے ناآگاہ جوان اپنی جوانی کو برباد کرتے ہیں۔ دین کے احکام کا فہم و ادراک جوانوں کی سعادت و خوشبختی کی ضمانت ہے۔امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں’’:اگر میں شیعوں کے کسی جوان کو پاؤں کہ جو دینی احکام نہیں سیکھتا ہے اور دین

[1] غرر الحکم ص۳۷۲
[2] نہج البلاغہ ، فیض ص ۱۱۱۴

کے بارے میں آگاہی نہیں رکھتا ہے، تو میں اسے سزا دوں گا[1]''حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں'': اگر میں کسی ایسے شیعہ جوان کو پاؤں کہ جو دین سیکھنے کی کوشش نہیں کرتا ہے تو میں اسے بیس کوڑے ماروں گا[2]''

۲۔ قرآن مجید سے آشنائیچونکہ قرآن مجید خداوند متعال کا کلام، رسول خداؐ کا لافانی معجزہ اور ایک گرانقدر کتاب ہے کہ جس میں انسان کی ہدایت کا پیغام اور الٰہی معارف موجود ہیں، اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ قرآن مجید اور اس کے علوم سے آشنائی حاصل کرے اور اس مقدس کتاب کے ساتھ انس و محبت رکھے۔

چنانچہ اس مضمون کی ایک روایت بیان ہوئی ہے: جب بچہ جوانی کے دور میں قرآن مجید سے آشنا ہوتا ہے اور اسے بار بار پڑھتا ہے ،تو اسے قرآن مجید سے زیادہ معنویت حاصل ہوتی ہے، گویا اس کے گوشت و خون کے ساتھ قرآن مجید مل جاتا ہے اور اس کے وجود کے تمام اعضاء پر اثر انداز ہوتا ہے۔

۳۔ ائمہ اطہار علیہم السلام کے ارشادات سے آشنائیجوانوں کو شیعوں کے ائمہ اطہارؑ اور دینی پیشواؤں کے ارشادات سے آشنا ہونا چاہیئے، تا کہ اپنے پاک دلوں کو ان گرانقدر اور قیمتی گوہر سے منور کریں۔ ایک حدیث میں یوں بیان ہوا ہے'': جوانوں کو اپنے دل دینی پیشواؤں کی احادیث سے نورانی کرنا چاہئے اپنی زبان اور بیان کو ان سے لطافت بخشنا اور اپنے کانوں کو ان کے احادیث سننے سے شائستہ بنانا چاہئے[3]''

۴۔ علم سیکھنا حضرت علی علیہ السلام ایک حدیث میں فرماتے ہیں'': تجرباتی علوم جو انسان کی مادی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں او رمعاشرے کے لیئے بھی مفید ہوتے ہیں اور دوسرے ادبی وانسانی علوم، جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی صورت میں معاشرے کے لوگوں کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں،

---

[1] بحار الانوار ، ج ۱، ص ۲۱۴
[2] سفینہ البحار، ج ۱، ص ۶۸۰
[3] کافی ، ج ۶، ص ۴۷

جوانوں کو ان سب کو سیکھنا چاہئے[1]''

۵۔ عبادات کا بجا لانا: شائستہ جوانوں کے خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ خداوند متعال کی عبادت اور پرستش کا خیال رکھیں اور اس کے ذریعہ اپنی روح کے زنگ کو دور کریں اور خدا کی عبادت و پرستش کے سایہ میں پروان چڑھیں ۔ چنانچہ نقل کیا گیا ہے'' :اگر جوانی کے دور میں کوئی شخص زاہد و عابد بن جائے تو مستقبل میں اس کے معنوی درجات دسیوں گناہ بڑھ جائیں گے[2]''

٦۔ توبہ کرنامومن جوانوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اسے اپنی غلطیوں اور خطاؤں سے توبہ کرنا چاہئے، کیونکہ جوانوں میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے، کبھی معنوی ذہنیت کے مالک ہوتے ہیں اور کبھی جاہلانہ کام انجام دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر ہم جوانی کو زندگی کا ناپایدار دور کہیں تو کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ،با عقیدہ جوان ہمیشہ توبہ کرتا رہتا ہے ۔ یہ طریقہ اسے تباہی اور بدبختی سے نجادت دیتا ہے۔پیغمبر اکرم ؐفرماتے ہیں'' :خداوند متعال کے نزدیک محبوب ترین شخص وہ جوان ہے جو اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے اور بارگاہ الہی میں مغفرت کی دعا کرتا ہے[3]''

۷۔ کوشش و جانفشانیجوانی کا دور، جو اٹھارہ سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے، یہی انسان کے کام کرنے اور سعی وکوشش کا دور ہوتا ہے اور کاموں کی انجام دہی میں اپنے نشاط و تحرک سے استفادہ کرتا ہے اور اگر سستی و کاہلی سے کام لیتا ہے تو اس کے وجود میں بیہودگی جڑپکڑ لیتی ہے ۔ ایک روایت میں اس طرح نقل ہوا ہے:

''اگر اس (جوان) نے اپنی جوانی کے دوران (جب کہ وہ بے انتہا جسمانی اور معنوی توانائیوں کا مالک ہوتا ہے)اپنی نفسانی خواہشات سے مقابلہ نہیں کیا ہے تووہ بڑھاپے میں اپنی ذہنیت کو کیسے سنوار سکتا ہے؟اسے اپنی توانائیوں کو بیہودہ صرف کرنے

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ص ۲۰، حکمت نمبر ۸۱۷
[2] مجمع البیان، ج ۲، ص ۳۸۵
[3]

سے پرہیز کرنا چاہئے ۔ کیونکہ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو بڑھاپے میں اس کے لئے مشکل ہے کہ اپنی اصلاح کے لئے کوئی کام انجام دے سکے[1]''

۸ ۔ اپنے آپ کو سنوارنا اسلام میں زینت اور آراستگی کو خاص اہمیت دی گئی ہے او ر دینی پیشواؤں نے اس سلسلہ میں بھی کچھ باتیں بیان کی ہیں جو انسان کی زندگی میں اس چیز کی اہمیت کی دلیل ہے ۔ یہ خصوصیت، دوسروں کی نسبت، جوانوں میں زیادہ پایی جاتی ہے اور ائمہ اطہار علیہم السلام نے بھی اس قسم کے رجحانات کو ممنوع قرار نہیں دیا ہے، بلکہ عملی طور پر ان کی تائید کی ہے ۔ حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے بالوں پر تیل لگاتے ہوئے فرماتے تھے ''؛خداوندا ! میں تجھ سے زیبایی و زینت کی درخواست کرتا ہوں[2]'' امام جعفر صادقؑ سے یہ بھی نقل ہوا ہے ''؛ایک شخص رسول خدا ﷺ کے گھر آیا اور آپؐ سے ملاقات کی درخواست کی ۔ جب آپؐ اپنے گھر سے باہر نکل کر اس شخص سے ملنا چاہتے تھے، تو ایک آئینہ یا پانی کے برتن کے سامنے کھڑے ہوکر اپنے سر اور چہرہ کو آراستہ فرمایا ۔

عائشہ نے یہ کام دیکھ کر تعجب کیا اور آنحضرتؐ کے واپس تشریف لانے پر آپؐ سے پوچھا : یا رسول اللہؐ آپؐ باہر نکلتے وقت کیوں پانی کے برتن کے سامنے کھڑے ہوگئے اور اپنے بال اور چہرے کو آراستہ کیا ؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا : اے عائشہ ! خداوند متعال دوست رکھتا ہے، جب ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملنے کے لئے جائے تو وہ اپنے آپ کو سنوار کے اس کے پاس جائے '' اگر چہ اسلام نے ظاہری زیبایی اور لباس کو اہمیت دی ہے، لیکن معنوی قدروں اور روحانی زیبائیوں کو اسے نقصان نہیں پہنچنا چاہئے، کیونکہ معنوی زیبایی درحقیقت وہی حقیقی زیبایی ہے او رظاہری زیبایی اسی صورت میں اچھی ہوتی ہے جب باطنی خوبصورتی اور نیک اخلاق کے ساتھ ہو ۔

---

[1] مستدرک الوسایل، ج ۲ ، ص ۳۵۳، تفسیر برہان، ص ۸۸۲۔ غرر الحکم ، ص ۶۴۵

[2] ''با تربیت مکتبی آشناشویم'' ، ص ۱۱۳

جوانی کے آفات

اگر چہ جوانی خداوند متعال کی بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے، لیکن اسے بعض آفات کا خطرہ لاحق ہوتا ہے، ان میں سے چند آفتوں کی طرف ہم ذیل میں اشارہ کرتے ہیں: ۱۔ جوانی کی طاقت سے غفلت جوانی کی طاقت کو درپیش آفات میں سے ایک اس طاقت سے صحیح طور پر استفادہ نہ کرنا اوراس کا بیجا استعمال بھی ہے۔ چنانچہ اسلامی روایات میں اس امر کی طرف اشارہ ہوا ہے ''؛ جس جوان نے اپنی فرصت کے او قات سے مناسب استفادہ نہ کیا ہو، وہ بوڑھاپے میں خداوند متعال کے احکام اور دستورات کی اطاعت کرنے کی توانائی سے محروم رہے گا[1] ''

۲۔ جوانی کی ناپائیداری جوانی کی آفتوں میں سے ایک آج کا کام کل پر چھوڑنا اور فرصت اور موقع کو کھودینا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ''؛ عقلمند اور باشعور جوان اپنی اسی ناپائیدار جوانی سے جلد اور بہتر استفادہ کرتا ہے اور اپنے نیک اعمال و برتاؤ کو بڑھا وادیتا ہےاور علم حاصل کرنے کی سعی و کوشش کرتا ہے[2] ''

خطاکار جوانوں سے برتاؤ کا طریقہ

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ، پیغمبر اسلام ﷺ جوانوں کے تئیں خاص احترام کے قائل تھےاور ہمیشہ ان سے محبت کرتے تھے اور ان کی عزّت کرتے تھے۔ لیکن گہری تحقیق کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت میں ایک اور موضوع ملتا ہے، جو قابل غور واہمیت کا حامل ہے اور وہ موضوع گناہگار اور خطاکار جوانوں سے آپؐ کے برتاؤ کا طریقہ ہے ۔ ہم اس کے چند نمونے ذیل میں بیان کرتے ہیں: امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا؛ ''فضل ابن عباس ایک خوبصورت جوان تھے۔ عید قربان کے دن پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ (آپؐ کے مرکب پر)سوار تھے۔ اسی اثناء میں قبیلہء خثعم کی ایک خوبصورت عورت اپنے بھائی کے ہمراہ پیغمبر

---

[1] کافی ، ج ۲، ص ۱۳۵، تاریخ یعقوبی ، ج ۲، ص۵۹
[2] نہج البلاغہ ، فیض، خطبہ نمبر ۸۲

اسلام ﷺ سے احکام شرعی سے متعلق چند مسائل پوچھنے کے لئے آپ کے پاس آئی۔اس عورت کا بھائی شرعی مسائل پوچھ رہا تھا اور فضل ابن عباس اس عورت کو دیکھ رہا تھا!رسول خدا ﷺ نے فضل کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کے رخ کو اس عورت سے موڑ دیا تاکہ اس پر نگاہ نہ کر سکے۔لیکن اس جوان نے دوسری طرف سے دیکھنا شروع کیا یہاں تک کہ پیغمبر ﷺ نے اس طرف سے بھی اسے موڑ دیا۔جب رسول خدا ﷺ اس عرب کے سوالات کا جواب دے چکے ،تو فضل ابن عباس کے شانوں کو پکڑ کر فرمایا: ''کیا تم نہیں جانتے ہوکہ وقت گزرنے والا ہے ،اگر کوئی اپنی آنکھ اور زبان پر کنٹرول کرے،تو خداوند متعال اس کے اعمال نامہ میں ایک قبول شدہ حج کا ثواب لکھتا ہے[۱]!!ایک دوسری روایت میں نقل ہوا ہے'':پیغمبر اسلام ﷺ کے چچا،عباس نے(آنحضرتؐ سے مخاطب ہو کر)کہا :کیا آپؐ نے اپنے چچا زاد بھائی کا رخ موڑ دیا؟رسول خدا ﷺ نے فرمایا :میں نے ایک جوان عورت اور ایک جوان مرد کو دیکھا کہ گناہ سے محفوظ نہیں تھے(اسی لئے یہ کام انجام دیا[۲])۔

منقول ہے'' :ایک دن ایک جوان رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی :اے رسول خدا ﷺ !مجھے زنا کرنے کی اجازت دیجئے۔لوگ یہ سن کر مشتعل ہوئے اور بلند آواز میں اعتراض کیا ،لیکن رسول خدا ﷺ نے نرمی سے فرمایا: نزدیک آؤ۔وہ جوان رسول خدا ﷺ کے نزدیک گیا اور آپ کے روبرو بیٹھا ۔پیغمبر اسلام ﷺ نے محبت سے اس سے پوچھا :کیا تم یہ پسند کروگے کہ کوئی تیری ماں سے ایسا ہی فعل انجام دے؟جوان نے کہا :آپؐ پر قربان ہو جاؤں نہیں!آنحضرتؐ نے فرمایا :لوگ بھی اسی طرح تیرے اس فعل پر راضی نہیں ہوں گے!

اس کے بعد آنحضرتؐ نے یہی سوال اس جوان کی بہن اور بیٹی کے بارے میں کیا اور جوان نے اسی طرح جواب دیا۔اس کے بعد رسول خدا ﷺ نے اس جوان سے فرمایا :کیا تم پسند کروگے کہ لوگ تیری بہن سے یہی فعل انجام دیں؟اس نے جواب دیا :نہیں۔رسول خدا ﷺ نے فرمایا :لوگ بھی ایسا ہی سوچتے ہیں۔

---

[۱] بحار الانوارج ۹،ص۳۵۱،ح۳۔فقہ الرضا،ص۷۳
[۲]

اس کے بعد پیغمبر ﷺ نے پوچھا :کیا تم پسند کروگے کہ کوئی تیری بیٹی کے ساتھ یہی فعل انجام دے؟اس نے کہا :نہیں۔پیغمبر ﷺ نے فرمایا :اگر کوئی ان کی بیٹی سے ایسا فعل انجام دے تو لوگ بھی تیری طرح ناراض ہوں گے۔ ''اس جوان اور رسول خدا ﷺ کے درمیان گفتگو کے بعد آنحضرت نے اس جوان کے سینہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر فرمایا '' :پروردگارا!اس کے دل کوگناہ سے پاک کردے اور اس کے گناہوں کو بخش دے اور اسے زنا سے محفوظ رکھ۔پیغمبر اکرم کے اس برتاؤ کے نتیجہ میں اس کے بعد اس جوان کی نظر میں سب سے برا کام زنا تھا[1]۔پیغمبر اسلام ﷺ کا گناہگار جوان سے برتاؤ ،مسلمانوں کے لئے بذات خود ایک بہترین مثال ہے ۔لیکن پیغمبر اکرم ﷺ کی اس سیرت میں ایک نکتہ قابل غور ہے کہ صحیح طریقے پر گناہ کو روکنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سے ہے۔

جوانوں کو امام خمینیؒ کی حکیمانہ نصیحتیں

اسلامی جمہوریہ ایران کے بانی حضرت امام خمینیؒ نے مختلف موقعوں پر جوانوں کے بارے میں کچھ وعظ و نصیحتیں کی ہیں،ہم ذیل میں ان میں سے چند کی طرف اشارہ کرتے ہیں'' :ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے جوان انسانی تربیت،یعنی اسلامی تربیت حاصل کریں ۔ان جوانوں کو مستقبل میں اس مملکت کی حفاظت کرنا چاہئے اور اس مملکت کے امور کو انجام دینا چاہئے۔ان کی صحیح تربیت اور اصلاح کی جانی چاہئے۔اسلام نے جس قدر ہمارے ان بچوں اور جوانوں کی تربیت کے سلسلے میں کوشش کی ہے، کسی اور چیز کی نہیں کی ہے۔ ''''''میں جوان لڑکیوں اور لڑکوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ استقلال،آزادی اورانسانی اقدار کو عیش و عشرت،بے راہ روی،مغربی ممالک اور وطن دشمن عناصر کیطرف سے قائم کئے گئے فحاشی کے اڈوں میں جانے پر کسی قیمت پر تیار نہ ہوں۔

جو ہمیں لوٹنا چاہتے تھے،انہوں نے پوری تاریخ میں اور گزشتہ پچاس سال سے زائد عرصہ میں کوشش کی ہے کہ ہمارے جوانوں کے اختیارات سلب کرلیں ۔ '''''' تم مسلمان جوانوں کی ذمہ داری ہے کہ سیاسی،اقتصادی،اجتماعی جیسے شعبوں میں حقائق اسلام کی تحقیق

---

[1] روش تبلیغ،ص۶۳

کو مد نظر رکھتے ہوئے ،اس امتیاز کو فراموش نہ کرو ،جس کی وجہ سے اسلام دوسرے تمام مکاتب فکرپر بالا دستی رکھتا ہے ۔ہمارے جوانوں کو جاننا چاہئے کہ،جس شخص میں معنویت اور توحید پر عقیدہ نہ ہو ،اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ امت کی فکر کرے ۔ ''''اے میرے عزیز جوانو!یاس وناامیدی کو چھوڑدو،حق کامیاب ہے ۔اس مملکت کی،تم جوانوں کی صلاحیتوں کے ذریعہ اصلاح ہونی چاہئے ۔یہ کس قدر فخر ومباہات کا مقام ہے کہ ہمارے ملک میں دلاور جوان اسلام کی خدمت کرتے ہیں!تم جوان،جو میری امید ہو،اتحاد ویکجہتی قائم رکھو ۔ ''''جوان نسل کی ذمہ داری ہے کہ مغرب پرستوں کو غفلت کی نیند سے بیدار کریں اور انسان دشمن حکومتوں کے المیوں اور ظلم وجبر کوطشت ازبام کرکے رکھدیں'''' ہمارے بعض جوانوں نے اپنی پوری قومی حیثیت کومغرب پر قربان کر دیا ہے اور یہ ایک معنوی شکست تھی جو ہمارے لئے تمام ناکامیوں سے بدتر تھی۔ہمارے جوان یہ تصور نہ کریں کہ جو کچھ ہے وہ صرف مغرب میں ہے اور خود ان کے پاس کچھ نہیں ہے'''' !اس وقت جب تم جوان ہو اور جوانی کی طاقتیں محفوظ ہیں نفسانی خواہشات کو سنجیدگی کے ساتھ کچلنے کی سعی وکوشش کرو۔توبہ کی بہار جوانی کے ایام ہے،اس دوران گناہوں کا بوجھ ہلکا ،دل کی کدورت اور باطنی ظلمت کم اور توبہ کے شرائط سہل وآسان ہوتے ہیں[1]۔انشاء اللہ وہ دن دور نہیں ہے جب مملکت اسلامی کے جوان،عظیم رہبر فقید اسلام حضرت امام خمینیؒ کی ان پدرانہ نصیحتوں پر عمل کرکے اسلامی انقلاب کے عظیم بانی کی راہ پر گامزن ہوں گے اور اسلام اور ایران کے دشمنوں کونا امید کردیں گے۔

---

[1] کلمات قصار،پندہا وحکمتہای امام خمینیؒ ،ص۲۱۶

منابع

۱۔ شوشتری، نور اللہ، احقاق، قم، مکتبہ المرعشی، ۱۴۰۸ھ

۲۔ بخاری، محمّد، الادب المفرد، بی جا، ۱۳۰۹ش۔

۳۔ مفید، محمّد، الارشاد، ترجمہ رسولی محلاتی، تہران، انتشارات علمیہ، بی تا۔

۴۔ نمری، عبد البر، الاستیعاب، مصر، مکتبۃ المثنی، ۱۳۲۸ھ۔

۵۔ ابن اثیر، علی، اسد الغابۃ، بیروت، دار احیاء التراث العربی، بی تا۔

۶۔ بہشتی، احمد، اسلام و تربیت کودکان، تبلیغات اسلامی، ۱۳۷۰ش۔

۷۔ کلینی، محمّد، اصول کافی، تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۸۸ھ۔

۸۔ عسقلانی، ابن حجر، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، مصر، مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۲۸ھ۔

۹۔ زرکلی، خیر الدّین، الاعلام، بیروت، دار الملایین، ۱۹۸۹ء۔

۱۰۔ طبرسی، فضل، اعلام الوری، تہران، مکتبۃ الاسلامیہ، ۱۳۳۸ھ۔

۱۱۔ امین، محسن، اعیان الشیعہ، بیروت، دار التعارف للمطبوعات، ۱۴۰۳ھ۔

۱۲۔ صدوق، محمد، الامالی، ترجمہ کمرہ ای، کتابخانہ اسلامی، ۱۳۶۲ش۔

۱۳۔ طوسی، محمد، امالی الطوسی، قم، دار الثقافہ، ۱۴۱۴ھ۔

۱۴۔ مفید، محمد، امالی، ترجمہ حسین استاد ولی، مشہد، بنیاد پژوھشہای اسلامی، ۱۳۶۴ش۔

۱۵۔ مقریزی، احمد، امتاع الاسماع، قاہرہ، ۱۹۴۱ء۔

۱۶۔ مظلومی، رجبعلی، باتربیت مکتبی آشنا شویم، تہران، امیر کبیر، ۱۳۶۶ش۔

۱۷۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، بیروت، مؤسسۃ الوفاء، ۱۴۰۳ھ۔

۱۸۔ ابن کثیر، ابوالفداء، البدایۃ والنہایۃ، بیروت، دار احیاء التراث، ۱۴۰۸ھ۔

۱۹۔ صدوق، محمد، ثواب الاعمال، قم، منشورات رضی، ۱۳۶۴ش۔

۲۰۔ ذہبی، محمد، تاریخ اسلام، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۴۰۹ھ۔

۲۱۔ دیار بکری، تاریخ الخمیس، قاہرہ، بی تا۔

۲۲۔ طبری، محمد، تاریخ طبری، (تاریخ الامم والملوک)، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۸ق۔

۲۳۔ابن شبہ، عمر،تاریخ المدینۃ المنورۃ، تحقیق فہیم محمد شلتوت،مدینہ، ۱۴۰۲ھ ۔

۲۴۔یعقوبی،ابن واضح،تاریخ یعقوبی،بیروت،دار صادر،بی تا ۔

۲۵۔ حرانی، حسن، تحف العقول،ترجمہء غفاری، تہران،اسلامیہ، ۱۳۵۴ھ ۔

۲۶۔ابن جوزی، عبد الرحمن،تذکرۃ الخواص،بیروت مؤسسۃ اہل البیت، ۱۴۰۱ھ ۔

۲۷۔ بحرانی،ہاشم،البرہان،تہران،آفتاب،بی تا ۔

۲۸۔ فرات، تفسیر الفرات، نجف، حیدریہ،بی تا ۔

۲۹۔ قمی، علی، تفسیر القمی، تحقیق،جزائری،قم،مؤسسۃ اہل البیت، ۱۴۰۱ھ ۔

۳۰۔ابو نعیم ،احمد، حلیۃ الاولیاء،بیروت ،دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ ۔

۳۱۔ دمیری، محمد، حیاۃ الحیوان،قم،مؤسسۃالرضی،بی تا ۔

۳۲۔صدوق، محمد،الخصال،ترجمہء فہری زنجانی،شیراز،انتشارات علمیۃ اسلامیۃ،بی تا ۔

۳۳۔ فلسفی، محمد تقی،در مکتب اہل البیت،خوزستان شرکت سیمان درود، ۱۳۵۳ھ.ش۔

۳۴۔ابو نعیم،احمد، حلیۃالاولیاء،بیروت،دار الکتاب العربی، ۱۳۹۸ھ ۔

۳۵۔ طبری، محب الدین،ذخائر العقبی، کاظمین،دار الکتب العراقیۃ، ۱۳۸۷ھ ۔

۳۶۔ مصر عہ،احمد،التکامل فی الاسلام،ترجمہ ادیب لاری،تہران،دار الکتب الاسلامیۃ، ۱۳۶۱ھ.ش۔

۳۷۔ کارل آلکسیس، راہ و رسم زندگی، ترجمہء پرویز دبیری، اصفہان، تایید، ۱۳۵۶ھ.ش۔

۳۸۔ زمخشری، محمود، ربیع الابرار، تحقیق سلیم النجی، قم، شریف رضی، ۱۴۱۰ھ۔

۳۹۔ کمپانی، فضل اللہ، رحمت عالمیان، تہران، دار الکتب الاسلامیہ، بی تا

۴۰۔ مسلوب بالان، روان شناسی کودک بہ زبان سادہ، تہران، مشعل، ۱۳۷۰ھ.ش۔

۴۱۔ شیرازی، بی آزاد، روش تبلیغ، قم، دفتر تبلیغات، ۱۴۰۳ھ۔

۴۲۔ کلینی محمد روضہء کافی، ترجمہء محلاتی، تہران، علمیہ اسلامیہ، ۱۳۵۰ھ.ش۔

۴۳۔ محلاتی سید ہاشم، زندگانی امیر المؤمنین، تھران، علمیہ اسلامیہ، ۱۴۰۵ھ۔

۴۴۔ قمی، شیخ عباس، سفینۃ البحار، تہران، سنائی، بی تا۔

۴۵۔ ذہبی، محمد، سیر اعلام النبلاء، بیروت، الرسالۃ، ۱۴۱۳ھ۔

۴۶۔ ابن ہشام، عبد الملک، السیرۃ النبویہ، بیروت، دار احیاء التراث، بی تا۔

۴۷۔ ابن کثیر، اسماعیل، السیرۃ النبویہ، بیروت، دار احیاء التراث، ۱۳۸۳ھ۔

۴۸۔ حلبی، علی، السیرۃ الحلبیہ، بیروت، دار احیاء التراث، بی تا۔

۴۹۔ ابی داود، سلیمان، سنن ابی داود، بیروت دار الفکر، بی تا۔

۵۰۔ ابن ماجہ، محمد، سنن ابن ماجہ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۵۱۔ طبا طبائی، محمد حسین، سنن النبیؐ، تہران، اسلامیہ، ۱۳۵۳ھ۔

۵۲۔ نسائی، احمد، سنن النسائی بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۳۴۸ھ۔

۵۳۔ ابن عماد، شذرات الذھب بیروت، دار احیاء التراث العربی، بی تا۔

۵۴۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق محمد ابو الفضل ابراھیم، بیروت، دار احیاء الکتب العربیہ، ۱۳۷۸ھ۔

۵۵۔ خرگوشی، شرف النبی، تصحیح محمد روش، تہران، بابک، ۱۳۶۱ش۔

۵۶۔ بخاری، محمد صحیح البخاری بیروت، دار المعرفۃ، بی تا۔

۵۷۔ ترمذی، محمد، سنن ترمذی، (الجامع الصحیح) تحقیق احمد، محمد شاکر، مکتبہ الاسلامیہ، بی تا۔

۵۸۔ مسلم، صحیح مسلم، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۵۹۔ ابن جوزی، عبد الرحمن، صفۃ الصفوۃ، بیروت، دار المعرفۃ، ۱۴۰۶ھ۔

۶۰۔ ابن حجر، الصواعق المحرقۃ، قاھرہ، مکتبۃ القاھرہ، ۱۳۸۵ق۔

۶۱۔ ابن سعد، محمد، طبقات الکبری، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۳۸۰ھ۔

۶۲۔ حلی، ابن فہد، عدۃ الداعی، تصحیح موحدی قمی بی جا، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۶۳۔ صدوق محمد، علل الشرائع، نجف، حیدریہ، ۱۳۸۵ھ۔

۶۴۔ یمانی، محمد عبدہ، علموا اولادکم محبۃ آل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بیروت دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیہ، ۱۴۱۲ھ۔

۶۵۔ صدوق، محمد، عیون اخبار الرضا، مشہد، ۱۳۶۳ھ ش۔

۶۶۔ ابن حبیب غایۃ النھایۃ، بیروت، دار العرب الاسلامی، ۱۴۱۲ھ۔

۶۷۔ آمدی، غرر الحکم، تحقیق، درایتی، قم، مکتب الاعلام الاسلامی، ۱۳۶۷ھ۔

۶۸۔ امینی، عبد الحسین، الغدیر، بیروت، دار الکتب العربی، ۱۳۸۷ھ۔

۶۹۔ کلینی، محمد، فروع کافی، تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۶۲ھ ش۔

۷۰۔ فقہ الرضا، مشہد، مؤسسۃ آل البیت، ۱۴۰۶ھ۔

۷۱۔ حمیری، عبداللہ، قرب الاسناد، قم، مؤسسۃ آل البیت، ۱۴۱۳ھ۔

۷۲۔ ابن قولویہ، جعفر، کامل الزیارات، تعلیق، امینی، نجف، مرتضویہ، ۱۳۵۶ھ ش۔

۷۳۔ ابن اثیر، عزّالدّین، الکامل فی التاریخ، بیروت، دار صادر، ۱۳۸۵ھ۔

۷۴۔ اربلی، عیسی، کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، قم، نشر حوزہ، ۱۳۶۴ھ ش۔

۷۵۔ ابن خزاز، علی محمد، کفایۃ الاثر فی النص علی الائمۃ الاثنی عشر، تحقیق کمرہ ای، قم، بیدار، ۱۴۰۱ھ۔

۷۶۔ گنجی، محمد، کفایۃ الطالب، تحقیق امینی، تہران، دار احیاء تراث اھل البیت، ۱۳۶۲ھ ش۔

۷۷۔ خمینی، روح اللہ، کلمات قصار، پند ھا و حکمتہای امام خمینی مؤسسہء نشر آثار امام، تہران، ۱۳۷۴ھ ش۔

۷۸۔ صدوق، محمد، کمال الدین و تمام النعمۃ، قم، مدرسین، ۱۴۰۵ھ۔

۷۹۔ متقی ہندی، کنز العمال، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۵ھ۔

۸۰۔ فلسفی، محمد تقی، کودک از نظر وراثت و تربیت، تہران، نشر معارف اسلامی، ۱۳۶۳ش۔

۸۱۔ فلسفی، محمد تقی، جوان، تہران، نشر معارف اسلامی، ۱۳۶۴ش۔

۸۲۔ گایزل جان، ما و فرزندان ما، ترجمہ حسن امیری، تہران، ابن سینا، ۱۳۵۳ش۔

۸۳۔ طبرسی، حسن، مجمع البیان، قم، مکتبہ المرعشی، ۱۴۰۳ھ۔

۸۴۔ ہیثمی۔ علی، مجمع الزوائد، بیروت، دار الکتب، ۱۴۰۷ھ۔

۸۵۔ ابی فراس، ورام، مجموعہ ورام، (تنبیہ الخواطر)، قم، مکتبۃ الفقیہ، بی تا۔

۸۶۔ کاشانی، فیض، المحجۃ البیضاء، قم، مدرسین، ۱۳۸۳ش۔

۸۷۔ ابن عساکر، علی، مختصر تاریخ دمشق، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۸۸۔ حاکم نیشابوری، المستدرک علی الصحیحین، بیروت، دار المعرفہ، ۱۴۰۹ھ۔

۸۹۔ نوری، حسین، مستدرک الوسائل، قم، مؤسسۃ آل البیت، ۱۴۰۷ھ۔

۹۰۔ ابن حنبل، احمد، المسند، بیروت، دار احیاء التراث، ۱۴۱۲ھ۔

۹۱۔ حمزاوی، مشکوۃ الانوار، مصر، بی تا،

۹۲۔ صدوق، محمد، معانی الاخبار، تحقیق، غفاری، قم، مدرسین، ۱۳۷۹ھ۔

۹۳۔ حموی، یاقوت، معجم البلدان، بیروت، دار صادر، بی تا۔

۹۴۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، قم، منشورات رضی، ۱۴۰۵ھ۔

۹۵۔ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق سماوی، قم، المفید، ۱۳۶۷ش۔

۹۶۔ طبرسی، فضل، مکارم الاخلاق، ترجمہ میر باقری، تہران، فراہانی، ۱۳۶۵ش۔

۹۷۔ ابن طاووس، علی، الملہوف علی اہل الطفوف، قم، منشورات الرضی، ۱۴۰۶ھ۔

۹۸۔ ابن شہر آشوب، محمد، مناقب آل ابی طالب، قم، بصیرتی، بی تا۔

۹۹۔ صدوق، محمد، من لا یحضرہ الفقیہ، بیروت، اعلمی للمطبوعات، ۱۴۰۶ھ۔

۱۰۰۔ ذہبی، محمد، میزان الاعتدال، بیروت، دار المعرفہ، بی تا۔

۱۰۱۔ ری شہری، محمد، میزان الحکمہ، قم، مکتبہ الاعلام الاسلامی، ۱۴۰۴ھ۔

۱۰۲۔ طباطبائی، محمد حسین، المیزان، تہران، دار الکتب الاسلامی، ۱۳۶۲ش۔

۱۰۳۔ سپہر، علی خان، ناسخ التواریخ، تہران، اسلامیہ، ۱۳۹۸ھ۔

۱۰۴۔ راوندی، محمد، نوادر راوندی، قم، موسسہ دار الکتب، بی تا۔

۱۰۵۔ کازرونی، نہایہ المسؤول فی روایہ السؤول، ترجمہ ابرقوہی، تہران، انتشارات علمی و فرہنگی، ارشاد اسلامی، ۱۳۶۶ش۔

۱۰۶۔ فیض الاسلام، علی نقی، نہج البلاغہ، بی جا، ۱۳۶۵ھ۔

۱۰۷۔ حر عاملی، وسائل الشیعہ، بیروت، دار احیاء التراث العربی، سنہ ۱۴۰۳ھ۔

۱۰۸۔ قمی، شیخ عباس، ہدیہ الاحباب، تہران، امیر کبیر، سنہ ۱۳۶۳ھ۔

۱۰۹۔ قندوزی، سلیمان، ینابیع المودہ، قم، محمدی، سنہ ۱۳۸۵ھ۔